اسلامی اقدار کا نقیب

ہفت روزہ

ترجمانِ اسلام

لاہور پاکستان

مئی ۱۹۷۶

20/21

۲۷ مئی

نگرانِ اعلیٰ: مولانا مفتی محمود

ہفت روزہ "چٹان" اور "اسلامی جمہوریہ" کا ڈیکلریشن منسوخ۔ "عوامی حکومت" کا ایک اور کارنامہ

اس نگر کے رہنے والے شاد ہونے چاہئیں
ہم مدیروں کے قلم آزاد ہونے چاہئیں

شورش ؒ

...... آزادی گئی

بے سبب ہر فرد کو زنجیر پہنا دی گئی
حد سے بڑھ کر صُورتِ حالات اُلجھا دی گئی

اپنے اپنے دوش پر ہر شخص کو ہے فکرِ سر
زیست کے ہر موڑ پر تلوار لٹکا دی گئی!

زخمِ ہر تصویر کو ہے آج مرہم کی تلاش
دشتِ غم میں آبروئے نقشِ فریادی گئی

رونقِ زنداں ہیں اہلِ فکر، اہلِ حُریّت
آرزو جس کی تھی ہر دل میں وہ آزادی گئی!

دیکھتے ہی دیکھتے گلشن جہنم بن گیا
آتشِ جبر و تشدّد ایسی بھڑکا دی گئی

آج تک قائم تھا جس بنیاد پر ایوانِ حق!
اب اسی بنیاد کی ہر اینٹ سرکا دی گئی

گولی لاٹھی سے نہیں ہیں مرد ہی گھائل فقط
ماؤں، بہنوں اور بچوں پہ بھی چلوا دی گئی

عہدِ نَو میں بن گیا رجعت پسندوں کا نقیب
ان کی جانب سے یہ تہمت مجھ پہ لگوا دی گئی

قافلے والوں کے لٹنے کا نہیں کوئی جواز
فخرؔ جب تفصیل سے ہر بات سمجھا دی گئی!

حکیم افتخار فخر

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر [illegible] شمارہ نمبر ۲۰

جمعۃ المبارک ۲۷ مئی ۱۹۷۷ء ۹ جمادی الثانی

سرپرست
مولانا عبید اللہ انور

مدیر
اکرام القادری

مدیر معاون
عمیر الہاشمی

بدل اشتراک
سالانہ
۴۵ — روپے
ششماہی
۲۳ — روپے
سہ ماہی — ۱۱/۵۰ روپے
فی پرچہ
ایک روپیہ

اداریہ — اکرام القادری

ایں چہ بوالعجبیست

گذشتہ چار پانچ مہینوں کے دوران ہمارے ملک کے افق پر جس قسم کے حالات و واقعات ابھرے وہ کسی بھی فرد سے پوشیدہ نہیں۔ ملکی سطح پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا اعلان کیا گیا۔ اعلان کے بعد ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر اپوزیشن پارٹیوں نے پاکستان قومی اتحاد کے نام سے ایک ملک گیر تنظیم قائم کر لی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک پرچم، ایک نشان اور ایک منشور کے تحت ملک گیر انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا گیا۔

حکومتی پارٹی کے لیے اس قسم کا اقدام قطعی طور پر غیر متوقع تھا۔ اپوزیشن پارٹیوں کا یہ اقدام حکومت کے خرمن امید کے لیے برقِ تپاں ثابت ہوا۔ بلکہ کہنا یوں چاہیے کہ حزب مخالف کے اس اقدام و اعلان نے حزب اقتدار کے ہر ہر فرد کو ششدر اور بھونچکا کر کے رکھ دیا۔

چار و ناچار سیاسی سرگرمیاں بحال کی گئیں اور جلسوں، جلوسوں کی بہار آئی تو پاکستان قومی اتحاد کے فقید المثال جلسوں اور عدیم النظیر جلوسوں نے برسر اقتدار ٹولے کا خواب و خور حرام کر دیا۔ نیم دلی کے ساتھ حکومت کے وزراء کی فوج ظفر موج نے ملک کا دورہ شروع کیا۔ سامعین کی تعداد ہر جگہ جانے پہچانے چہروں سے زیادہ نہ بڑھ سکی۔ ہر مقام پر باوردی اور بے وردی ملازمین کی بے ہنگم بھیڑ کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ پاکستان قومی اتحاد کے جلسوں اور جلوسوں کا توڑ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ چیئرمین پیپلز پارٹی جناب ذوالفقار علی بھٹو ہر مقام پر بنفس نفیس خود براجمان ہوں۔ بھٹو صاحب نے انتخابات کو اپنی زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہوئے پورے ملک کا انتھک دورہ کیا لیکن بات پھر بھی نہ بنی۔ ٹرسٹ کے اخبارات بھٹو صاحب کے ۱۹۷۰ء کے دوروں کی تصویریں لگا لگا کر پاکستانی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے۔ حکومتی پارٹی نے ملک کے تمام ذرائع ابلاغ کو پاکستان قومی اتحاد کے رہنماؤں کی کردار کشی اور حکمران گروہ کے حق میں یک طرفہ پروپیگنڈے کے لیے م[illegible] کر دیا۔ پارٹی کے جنرل سیکرٹری نے پارٹی ورکروں کو کام نہ کرنے کی صورت میں چمڑی ادھیڑ دینے کی دھمکی دی، سرکاری خزانے کا بے دریغ استعمال شروع کر دیا۔ حکمران پارٹی کے مفاد پرست کارکنوں کو سرکاری جیپیں، سکوٹر اور سائیکلیں مہیا کی گئیں مگر ان تمام تر کوششوں اور کاوشوں کے باوجود عوام کے سیل بے پناہ کا رُخ نہ موڑا جا سکا اور وہ پاکستان قومی اتحاد کے رہنماؤں کے ہمرکاب چلتے رہے۔ حکمران ٹولے کی آخری امید اب یہی رہ گئی تھی کہ پاکستان قومی اتحاد کسی نہ کسی مرحلے پر باہم دست و گریباں ہوگا۔ اور کم از کم سیٹوں کی تقسیم پر تو یہ لوگ ضرور تو تکار کا شکار ہونگے لیکن ارباب اقتدار کی یہ امید بھی بر نہ آئی۔ اور یہ اہم مرحلہ بھی خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔ ہل کا نشان الاٹ ہونے کے سلسلے میں بھٹو صاحب کے نفس ناطقہ جناب حفیظ پیرزادہ نے ٹانگ اڑانے کی کوشش کی۔ مگر خائب ہونا پڑا۔

اب آخری داؤ صرف ارباب اقتدار کے لیے یہ رہ گیا تھا کہ اسلامیہ اور غنڈہ عناصر کی مدد سے الیکشن جیتا جائے اور ہر حال میں جیتا جائے۔

ایک سوچے سمجھے اور پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت انتخابات میں تاریخی دھاندلی کی گئی۔ نتائج کو

سبوتاژ کیا گیا۔ جیتے ہوئے ہار گئے اور ہارے ہوئے جیت گئے۔ ریڈیو اور ٹی وی پر انتخابی نتائج سن کر نہ صرف پوری قوم ششدر و حیران رہ گئی، بلکہ غیظ و غضب کے اظہار کے لیے سڑکوں پر نکل آئی۔

قوم کا یہ غیظ و غضب تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کے نام سے نمایاں ہوا۔ حکومت نے تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کے متوالوں کے ولولوں اور جذبوں کو لاٹھی گولی، آنسو گیس اور بہیمانہ تشدد سے روکنے کی کوشش کی مگر شمع رسالت کے پروانوں نے گولیوں کے لیے اپنے سینے اور لاٹھیوں کے لیے اپنے جسم پیش کر کے تاریخِ اسلام میں ایک نئے اور چکا چوند باب کا اضافہ کیا۔

ہزاروں لوگ دفعہ ۱۴۴ کی لعنت کے خلاف مظاہرہ کرتے ہوئے گرفتار کئے گئے، ہزاروں زخمی ہوئے، سینکڑوں نے جام شہادت نوش کیا۔ حکومت کے طوطے اڑ گئے، پولیس سیکورٹی فورس اور پی۔ آر۔ پی کی تمام طاقتیں ایمانی قوت سے مات کھاتی ہوئیں نظر آئیں تو بھٹو صاحب نے اپنی مضبوط کرسی کے تحفظ کے لیے عوام کے مقابلے میں مسلح فوج کو لا کھڑا کر دیا۔ ملک کے مختلف حصوں میں مارشل لاء اور کرفیو کے منحوس سائے چھا گئے اور اس طرح سے بھٹو صاحب نے اپنے جمہوری اقتدار کے سب سے بڑے علمبردار ہونے کا پختہ ثبوت فراہم کر دیا۔

قوم مارشل لاء اور کرفیو کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے پھر میدان عمل میں کود پڑی۔ قومی اتحاد کے ہر سطح کے رہنماؤں کی ملک گیر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا جو تادم تحریر جاری ہے جیسے جہاں سے چاہا اور جس وقت چاہا دھر لیا گیا۔ حتیٰ کہ عام کارکنوں کو بھی ڈھیروں کے حساب سے گرفتار کیا جا رہا ہے اور سب کا یکساں جرم ڈی۔ پی۔ آر ہے۔ ان تمام کارروائیوں کے ساتھ ہی پاکستان قومی اتحاد کے رہنماؤں سے بھٹو صاحب مذاکرات کرتے رہے۔ موجودہ بحران کو حل کرنے کی بزعم خود کوششیں کرتے رہے۔ پاکستان قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ دنیا کو یہ تاثر دیتے رہے کہ میں مسئلہ حل کرنا چاہتا ہوں اسی لیے تو تمام پاپڑ بیل رہا ہوں۔

لیکن مذاکرات کے اس پہاڑ سے جو مرا ہوا چوہا برآمد ہوا وہ ریفرنڈم کا چوہا تھا الزام تراشی کا وہی سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ پاکستان قومی اتحاد کی مقدس تحریک کو سامراج کی سازش کہا جانے لگا۔ جعلی اسمبلی کے ممبران رائے عامہ کے لیڈر بن کر ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ ریفرنڈم کے محاسن و محامد بیان کرتے رہے۔ اس مقدس کے لیے آئین میں ترمیم بھی کی گئی۔

پاکستان قومی اتحاد کے قائم مقام صدر جناب پیر پگاڑہ نے کھلے لفظوں میں نام نہاد ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا اور جب ریفرنڈم کی بھی وہی گت بنتی نظر آئی اور برادر مسلم ممالک کا دباؤ بڑھتا ہوا نظر آیا تو بھٹو صاحب نے قومی اتحاد کے رہنماؤں سے دوبارہ مذاکرات کا ڈول ڈالا ہے۔

مذاکرات کی اس آخری کوشش کے دوران بھی پاکستان قومی اتحاد کے رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ، مختلف جھوٹے مقدمات میں زور شور سے جاری و ساری ہے۔ عجیب بات ہے کہ جناب بھٹو مولانا مفتی محمود سے ملاقاتیں بھی کر رہے ہیں، سردار عبد القیوم کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کر کے قومی اتحاد کے رہنماؤں کے پاس بھی بھیجا جا رہا ہے اور یکطرفہ گرفتاریاں بھی جاری ہیں۔ ذرائع ابلاغ سے معاندانہ اور شر انگیز پروپیگنڈا بھی کیا جا رہا ہے حکومت کی اس دو عملی کی وجہ سے سیاسی حلقے حکومت کی نیت پر شکوک و شبہات کا اظہار کرتے ہیں اور اسی تمام ترتگ و دو کو ایک نئے ڈرامے سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ایسا نہ ہو اور ملک و قوم کو مزید تباہی سے بچاتے ہوئے کوئی پائیدار حل عوام کی مرضی کے مطابق تلاش کر لیا جائے۔

افسوسناک واقعہ

گذشتہ دنوں جامع مسجد اہل حدیث صدر چھاؤنی لاہور سے تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کے سلسلے میں ایک جلوس نکالا گیا۔ جب جلوس جا چکا تو مسجد مذکور کے خطیب اور چند ان کے مقتدی جو مسجد میں تھے اچانک پیپلز پارٹی کے علاقائی غنڈوں نے ان پر حملہ کر دیا اور زدوکوب کیا۔ مولانا سردار محمد صاحب جو کہ تیس سال سے مسجد مذکور میں درسِ بخاری شریف دے رہے ہیں کی داڑھی نوچی اور ان کو اٹھا کر لیجانے کی بھی کوشش کی۔ مقتدیوں اور اہلِ محلہ کی مزاحمت پر ان کو چھوڑا گیا۔

متعلقہ حکام کو رپورٹ درج کرائی تو متعلقہ حکام نے طرفداری کرتے ہوئے کارروائی کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن پیپلز پارٹی کے غنڈے بدستور دھمکیاں دینے اور مسجد کی بے حرمتی کرنے پر تلے ہوئے ہیں

آہ سیّد نیاز احمد شاہ گیلانیؒ

پچھلے دنوں خانیوال گیا ہوا تھا کہ اچانک پیرِ طریقت سید نیاز احمد شاہ صاحبؒ کے انتقال کی خبر اور نماز مغرب کے بعد نماز جنازہ کا اعلان ہوا۔ یہ خبر دل پر بجلی بن کر گری اور وہ مقام مناظر ایک ایک کر کے سامنے آنے لگے جو حضرت شاہ صاحب کی رفاقت اور شفقت میں گذرے تھے۔ خصوصاً گذشتہ الیکشن کے دوران شاہ صاحب کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو بڑے قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

حضرت شاہ صاحب نے بزرگوں کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ مادر علمی دار العلوم دیوبند سے کسب فیض کیا تھا اور شیخ المشائخ حضرت شاہ عبد القادرؒ کی خدمت میں رہ کر روحانی منزلیں طے کی تھیں۔ انہیں اپنے اکابر سے والہانہ عشق تھا۔ اکابر کی بات سنتے اور کرتے تو اکثر آبدیدہ ہو جاتے۔ القصہ! بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ شاہ صاحب آخری دم تک اپنے اکابر سے وابستہ رہے۔ مرشد درخواستی اور حضرت مفتی محمود کی قیادت میں جمعیۃ کے پلیٹ فارم پر کام کرتے رہے اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل۔ کسی وقت مفصل مضمون [illegible] متعلق تحریر کروں گا۔

لو آپ اپنے دام میں صیّاد آگیا

بھٹو گورنمنٹ نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد سے اب تک جتنے پینترے بدلے ہیں اور سوشلزم، جمہوریت، اور اسلام کے نام سے جس طرح عوام کو بے وقوف بنانے کی مسلسل کوشش کی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

اس فریب کار گروہ کا آخری حربہ "اسلام" ہے۔ بھٹو صاحب نے لاہور میں ۱۸ اپریل کو پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اسلامی اصلاحات کا اعلان کیا اور دوسرے دن اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ بھٹو صاحب کے اس "اسلامی انقلاب" کی نوید قوم کو سنائی گئی، لیکن پاکستان کے باشعور عوام نے تبسم زیرِ لب کے ساتھ اس پر جس ردِ عمل کا اظہار کیا اس پر ایک فارسی شاعر کا شعر یاد آگیا جس نے کہا تھا کہ: ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

بھٹو صاحب اور ان کے حواری "اسلامی نظام" کی طرف اپنی اس پیش قدمی کا ڈھول ابھی پیٹ رہے تھے کہ خود بھٹو صاحب کی کابینہ کے ایک رکن مسٹر یحییٰ بختیار نے غبارے سے ساری ہوا خارج کردی۔ اور اب بھٹو صاحب کا "اسلامی انقلاب" منہ لٹکائے یحییٰ بختیار صاحب کی عقل کا ماتم کر رہا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ آئین میں ساتویں ترمیم کو سندھ کے ایک معزز قانون دان نے ہائی کورٹ میں چیلنج کردیا اور ملک کے معروف قانون دان جناب خالد اسحاق صاحب نے مستغیث کی طرف سے دلائل دیتے ہوئے عدالت عالیہ سے گذارش کی کہ:

"آئین میں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اسلام کی رُو سے جو بنیادی حقوق اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دیئے ہیں انہیں کسی آئینی ترمیم کے ذریعہ منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔"

خالد اسحاق صاحب کا نکتہ بڑا جاندار تھا جس کا حکومتِ پاکستان کے وکیل اور بھٹو کابینہ کے رکن مسٹر یحییٰ بختیار سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ بالآخر بلّی تھیلے سے باہر آگئی اور یحییٰ بختیار عدالت عالیہ کے سامنے یوں گویا ہوئے کہ:

"آئین کی شق نمبر ۲ میں اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے، وہ ایک رسمی بات ہے۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ کوئی ایسا قانون بنایا نہیں جاسکتا یا ایسی ترمیم کی نہیں جاسکتی جو اسلام کے منافی ہے۔"

روزنامہ نوائے وقت لاہور

۲۲ رمئی ۱۹۷۷ء

مذاکرات کے سائے میں

بھٹو صاحب ریفرنڈم کے طمطراقانہ اعلان، قومی اسمبلی سے آئین میں ترمیم کی منظوری اور قومی اسمبلی کے دوبارہ انتخابات کو یکسر مسترد کر دینے کے بعد ایک روز اچانک تین وفاقی وزراء کے ساتھ سہالہ پہونچے اور قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود سے از سرِ نو مذاکرات کا ڈول ڈالا۔ جس گفتگو کے نتیجے میں سردار عبدالقیوم رہا ہوئے اور قومی اتحاد کے دیگر رہنماؤں سے انہوں نے مختلف جیلوں میں جاکر نئی صورتِ حال کے بارے میں گفت و شنید کی اور انہیں مفتی صاحب کا پیغام پہونچایا۔

ہم ان مذاکرات کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتے اور ان کی کامیابی کے لیے تہ دل سے دعاگو ہیں، لیکن ان مذاکرات کے سائے میں قومی اتحاد کے مرکزی قایدین اور مرکزی کونسل کے اسیر ارکان کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جارہا ہے اس کے ضمن میں ضرور کچھ گذارش کریں گے۔

پاکستان قومی اتحاد کے مرکزی قایدین سردار شیر باز خان مزاری، مولانا شاہ احمد نورانی اور پروفیسر غفور احمد کو میانوالی، گڑھی خیرو اور دادو میں جن جگہوں میں نظر بند رکھا گیا ہے وہ سی کلاس کے معیار کی بھی نہیں ہیں اور قومی سطح کے ان سرکردہ رہنماؤں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جارہا ہے اور انہیں جس طرح ذہنی اذیت دی جارہی ہے وہ ازحد افسوسناک ہے۔ اسی رویہ کے پیشِ نظر سردار شیر باز خان مزاری جیسے سنجیدہ اور بردبار رہنماؤں کو میانوالی جیل میں پانچ روز تک بھوک ہڑتال کرنا پڑی۔

علاوہ ازیں قومی اتحاد کی پوری مرکزی کونسل کو ۵ رمئی کو قومی اتحاد کے مرکزی دفتر ڈیوس روڈ لاہور سے گرفتار کرلیا گیا اور ان میں سے بیشتر ارکان جن میں مولانا اجمل خان جیسے علیل بزرگ بھی شامل ہیں کیمپ جیل میں سی کلاس میں رکھا گیا ہے اور مسلسل عوامی مطالبات کے باوجود مرکزی کونسل کے ارکان کو اے کلاس دینے سے احتراز کیا جارہا ہے۔

ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ قومی اتحاد کے مرکزی قایدین اور مرکزی کونسل کے ارکان کو جیلوں میں بند رکھنے

باقی صفحہ ۲۴

کوئی پانچ برس قبل ایک اطالوی صحافی مس آریانا فلاسی نے اس وقت کے صدرِ پاکستان ذوالفقار علی بھٹو سے ان کی درخواست پر انٹرویو کیا۔ اس سے قبل یہ خاتون صحافی اندرا گاندھی اور شیخ مجیب الرحمٰن سے بھی انٹرویو کر چکی تھی۔ یہ انٹرویو جو اطالوی زبان میں لکھا گیا انگریزی میں ترجمہ ہو کر امریکہ سے ملاقاتوں کے ایک مجموعے میں کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ اس مجموعہ کا نام ہے : "تاریخ سے ملاقات" اسی مجموعے سے یہ انٹرویو لیا گیا جو پاکستان میں اور اُردو میں پہلی بار مکمل صورت میں چھپ رہا ہے۔ اس انٹرویو سے قارئین کے سامنے مسٹر بھٹو کی شخصیت کا ایک دلچسپ خاکہ ابھرتا ہے جسے ایک ذہین اور صاف گو صحافی نے پیش کیا ہے اس انٹرویو کا عنوان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ :

مسٹر بھٹو کون ہیں، کیا ہیں، کیا چاہتے ہیں

مس فلاسی نے خود اس انٹرویو کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ایک عجیب کہانی ہے جس پر بعض اوقات افسانے کا گمان بھی ہوتا ہے (ادارہ)

سوئیکارنو، ناصر اور سٹالین میرے جدید دَور کے ہیرو ہیں

ٹکا خان میرے احکامات کی تعمیل کرے گا۔

مَیں پاکستان کے سب حکمرانوں سے زیادہ حکومت کروں گا

چنگیز خان، سکندرِ اعظم اور ہنی بال میرے عہدِ جوانی کے ہیرو تھے

- سیاستدان کو ہر وقت تضادات اور شکوک پیدا کرنے چاہئیں
- مستقل مزاجی چھوٹے دماغ والوں کی صفت ہے
- مخالف پر ہر طرح سے حملہ کرو حتیٰ کہ اسکی کمزوری مل جائے

مجھے معلوم ہے مجھ میں بہت تضادات ہیں!

جب تک تخریب نہ کریں تعمیر نہیں ہو سکتی!

ڈھاکہ میں مجھے توپوں کی آواز نے بیدار کیا

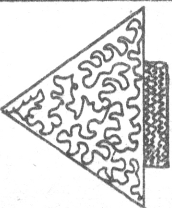
- ۱۳ سال کی عمر میں ۲۳ برس کی عورت کے ساتھ پہلی بار شادی کر دی گئی
- مجھے شادی کی خواہش نہ تھی، میں کرکٹ کھیلنا چاہتا تھا
- ۳۳ برس کی عمر میں دوسری بیوی کی محبت میں گرفتار رہا

مجیب نے کہا: "خدا تمہیں ہمیشہ مجھے بچانے کیلیے بھیجتا ہے"

جب میری بے عزتی ہوتی ہے تو میں رو پڑتا ہوں۔

میں نے کبھی ایک پیسہ فضول خرچ نہیں کیا
میں نے دولت کا بڑا حصّہ کتابوں پر صرف کیا ہے

سیاستدان کیلیے **عاشق** ہونا ضروری ہے



کسی عورت کا دل جیتنے میں کوئی حرج نہیں!

دعوت نامہ

بڑا ہی حیرت ناک تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اچانک مجھے طلب کرلیا تھا جس کی کوئی تفصیل مجھے نہیں دی گئی تھی۔ مجھے صرف اتنا کہا گیا کہ میں راولپنڈی جلد از جلد روانہ ہو جاؤں۔ میں حیران تھی کہ کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ ہر صحافی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اسے زندگی میں ایک یا دو دفعہ وہ لوگ بلالیں کہ جن کے پیچھے وہ اکثر بھاگتا رہتا ہے اور وہ بیشتر اوقات انٹرویو دینے سے انکار کرتے رہتے ہیں، لیکن چونکہ خواہشیں غیر منطقی ہوتی ہیں اس لیے شک کی طرف لے جاتی ہیں۔

بھٹو مجھے کیوں ملنا چاہتا تھا؟ کیا وہ اندرا گاندھی کے نام میرے ذریعہ کوئی پیغام بھجوانا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ پچھلے دنوں سے میں اندرا گاندھی کو بہت پروجیکٹ کررہی تھی، لیکن یہ بات ذہن نے قبول نہیں کی۔ کیونکہ بھٹو کو سوئس اور روسی سفارتی نمائندوں کی موجودگی میں میرے جیسے پیامبر کی آخر کیا ضرورت تھی۔ دوسری بات جو میرے ذہن میں آئی اسے بھی میں نے جلد ہی جھٹک دیا۔ کیوں کہ میرے خیال میں بھٹو ایک مہذب آدمی ہے اور مہذب لوگ مہمانوں کو قتل نہیں کرسکتے۔ تیسری بات جو آخر میں میرے ذہن میں آئی یہ تھی کہ شاید وہ مجھے انٹرویو دینا چاہتے ہیں اور یہی بات صحیح تھی۔ انہوں نے شیخ مجیب الرحمٰن صدر بنگلہ دیش کے بارے میں میرا ایک مضمون پڑھا اور مجھے انٹرویو دینے کا فیصلہ کرلیا۔ جب میرے تجسس نے شکوک پر قابو پالیا تو میں نے دعوت نامہ قبول کرلیا۔ لیکن میں نے دعوت نامہ قبول کرتے وقت انہیں یہ بتا دیا کہ میں اپنی بے لاگ رائے دوں گی اور کوئی مروت اور خوشامد مجھے خرید نہیں سکتی۔ بھٹو صاحب نے کہا ٹھیک ہے اور یہ میرا اس شخص کے بارے میں پہلا تاثر تھا۔

یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔ عجیب [illegible]، موجی، متلون مزاج حیران کن فیصلے کرنے والا۔ ایسے اس کا سامنا کریں۔ اس ذہین آدمی کا جو ایک تیز طرار لومڑی ایسی ذہانت کا مالک ہے جو متوجہ کرنے اور ابہام میں مبتلا کرنے کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مہذب رویئے، اپنے حافظے اور شاندار صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اس کے اطوار میں شائستگی ہے۔ راولپنڈی کے ہوائی اڈے پر میری ملاقات دو افسروں سے ہوئی جنہوں نے جوش بھرے لہجے میں مجھے مطلع کیا کہ ایک گھنٹے کے اندر تمہاری ملاقات سربراہ مملکت سے ہوگی۔ صبح کے دس بجے تھے اور مجھے ۴۸ گھنٹوں سے سونا نصیب نہیں ہوا تھا ——— نہیں ایک گھنٹے بعد نہیں ——— میں نے احتجاج کیا ——— میں ڈھنگ کی نیند اور سلیقے کے غسل کی ضرورت محسوس کرتی ہوں۔ کوئی بھی دوسرا شخص اسے اپنی توہین سمجھتا، مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے ملاقات کو ساڑھے سات بجے شام تک کے لیے ملتوی کردیا اور کہلا بھیجا کہ وہ رات کا کھانا میرے ساتھ ہی کھائیں گے۔ بڑی ذہانت سے اس نے یہ تاثر دیا کہ یہ ملاقات بڑے پرتپاک انداز میں ہوگی۔

بھٹو مسکراہٹوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ کھلی بانہوں سے اس نے میرا خیر مقدم کیا۔ طویل قامت پر گوشت جسم اور لمبی ٹانگوں والا یہ آدمی سبک رفتاری سے چلتا ہوا مجھے کسی ایک بنک والے کی طرح لگا جو آپ کے سامنے اس خواہش کا اظہار کرنے والا ہو کہ آپ اس کے بنک میں اکاؤنٹ کھول لیں۔ وہ اپنی چوالیس سالہ عمر سے زیادہ عمر کا لگتا تھا۔ وہ گنجا ہونا شروع ہوگیا تھا اس کے بقیہ بال سفید تھے۔ اس کے بھاری پپوٹوں کے نیچے اس کا چہرہ پھولا ہوا بھاری دکھائی دیتا تھا۔ بھاری گال، موٹے ہونٹ اور موٹے پپوٹے پراسرار اداسی اس کی آنکھوں میں تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک شرمیلا پن تھا۔ بہت سے طاقتور لیڈروں کی طرح اس کے اندر بھی ایک شرمیلا پن ہے۔ اندرا گاندھی کی طرح اس میں بھی تضادات ہیں۔ اندرا گاندھی والی اس میں اور بھی عادتیں ہیں اور یہ عادتیں ساری کی ساری باہم متضاد اور متصادم رہتی ہیں۔ جتنا بھی آپ اس کی شخصیت پر غور کریں گے اتنی ہی بے یقینی آپ پر طاری ہوتی جائے گی، اتنا ہی ابہام بڑھتا چلا جائے گا۔ جیسے آپ دوربین سے کسی گھومتی ہوئی چیز کو دیکھ رہے ہوں۔ ہر بار آپ کے سامنے اس کا نیا چہرہ ابھرے گا۔ ساتھ ہی آپ پر اس کی کڑی نظر ہوگی۔ آپ اس کے ان گنت رُخ دیکھ سکتے ہیں اور ہر رخ حقیقی ہوگا۔ معتدل مزاج اور سخت گیر فاشسٹ اور کمیونسٹ مخلص اور جھوٹا۔ بلاشبہ ہمارے عہد کے پیچیدہ ترین لیڈروں میں سے ہے۔ اس کے ملک نے اب تک جو لیڈر تخلیق کیے ہیں ان میں واحد دلچسپ لیڈر وہی ہے۔ اس حوالے سے وہ آپ کو اندرا گاندھی کی بجائے شاہ حسین سے زیادہ مشابہہ دکھائی دیتا ہے۔ شاہ حسین کی طرح وہ بھی ایک ایسی قوم کی قیادت کررہا ہے جس پر الزام لگایا گیا تھا کہ اس کی تخلیق مصنوعی طریقے سے ہوئی ہے۔ حسین کی طرح وہ مٹی کا ایک ایسا برتن ہے جو لوہے کے ٹکڑوں میں پھنسا ہوا ہے۔ روس، بھارت، چین اور امریکہ جھٹکے سے منکر اور مزاحمت کرنے والے ایسے فن کاروں کی طرح جس کے پاس اپنی مزاحمت کا سامان نہیں ہے۔ لیکن ایک اور رُخ سے دیکھیں تو وہ آپ کو جان کینیڈی کی یاد دلاتا ہے وہ ایک ایسے دولت مندی کے ماحول میں پیدا ہوا جہاں کوئی چیز ناممکن نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ سیاسی قوت کی تسخیر بھی خواہ اس کی کوئی سی قیمت ادا کرنی پڑے۔ کینیڈی کی طرح اس نے اقتدار کی جنگ کا آغاز بہت کم عمری ہی میں کردیا۔ اس کا تعلق ایک طاقتور جاگیردار گھرانے سے ہے۔ اس نے برکلے اور آکسفورڈ میں تعلیم پائی۔ اور وہاں سے بین الاقوامی قانون کی ڈگری حاصل کی۔ تیس سال کی عمر میں ابھی تھوڑا سا اضافہ ہوا تھا کہ وہ ایوب خان کی کابینہ میں وزیر ہوگیا اور ۴۰ سال سے بھی کم عمر میں وہ یحییٰ خان کا وزیر بنا۔ اگرچہ یحییٰ خان کو اس کی نفرت کا شکار ہونا پڑا۔ وہ ایک اذیت ناک حالت میں ایوان صدر میں پہنچا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے

ساتھیوں کو کارروائی کا حکم دے سکے۔ اقتدار محبت سے بھی زیادہ طاقتور جذبہ ہے اور جو لوگ اقتدار سے عشق کرتے ہیں ان کے معدے بہت مضبوط ہوتے ہیں اور ناک اس سے بھی بڑی۔ انہیں بڑے اور تکلیف دہ احکامات یاد نہیں رہتے۔ بھٹو نے بھی کبھی ان کا برا نہیں مانا۔ اسے اقتدار سے عشق ہے اور اس قوت کی نوعیت کا تجزیہ کرنا مشکل کام ہے۔ اس معاملے میں اس کا اپنا رویہ مشکوک اور مبہم ہے۔ وہ آپ ایسے سیاستدانوں سے چوکنا رہنے کا مشورہ دیتا ہے جو آپ کے سامنے سچ بولتے ہیں۔ یا سکاؤٹوں ایسے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسکی باتیں سن کر آپ یقین کرلیں گے کہ اس کی نیت بہت نیک ہے۔ وہ محبت اخلاص سے ایک ایسا سوشلسٹ نظام تعمیر کرنا چاہتا ہے جس میں استحصال نہ ہو لیکن اگر آپ کراچی میں اس کی سنٹرل لائبریری میں جائیں تو آپ پر منکشف ہوگا کہ مسولینی اور ہٹلر کی سوانح عمریاں جن کی نقرئی جلدیں ہیں بہت سجا کر نمایاں طور پر رکھی گئی ہیں۔ انہیں جس نمایاں طریقے سے رکھا گیا ہے اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ کتابیں جمع کرنے والے کے ایک شاہی شوق کی علامت نہیں ہیں۔ آپ کے اندر شک اور ناراضگی ابھرتی ہے۔ آپ پوچھتے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ ناصر اور سوئیکارنو اس کے سچے دوست ہیں۔ دو منفرد آدمی جو یقیناً اچھے ارادوں کے ساتھ آگے بڑھے، لیکن وہ متوازن اور مستقل مزاج یقیناً نہیں تھے۔ آپ حیرت اور الجھاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ ڈکٹیٹر بننا چاہتا ہے۔ یہ اس کے باطن کا جواب ہے۔ کیا محض چاندی کی جلدوں والی مسولینی اور ہٹلر کی کتابوں سے متاثر ہو کر ؟ یہ سوال مغرب کے وہ لوگ کرسکتے ہیں جو اس ملک کے المیے کو نہیں جانتے۔ جہاں آزادی، جمہوریت اور سیاسی مخالفت کے الفاظ کبھی شرمندہ معنی نہیں ہوئے جہاں ان کا بدل بھوک ناانصافی اور بے عزتی ہے، لیکن اس کے باوجود اس سوال کا جواز موجود ہے ـــــ یہ ایک بدشگونی ہے، اس بلے کی طرح جب وہ ناراض ہو تو ٹکٹکی باندھ کر گھورنے لگتا ہے۔

یہ انٹرویو پانچ نشستوں میں پورا ہوا۔

چھ روز تک میں اس کی مہمان رہی۔ جب وہ چار صوبوں کا دورہ کر رہا تھا۔ میں نے سختی سے خود کو ان الفاظ تک محدود رکھا جو ٹیپ میں محفوظ ہیں مگر ان میں پانچ ملاقاتوں کا ایسا تنوع موجود ہے جو پچی کاری میں ہوتا ہے، ان میں سے پہلی ملاقات راولپنڈی میں ہوئی۔ دوسری اس جہاز میں جو ہمیں لاہور پہنچا رہا تھا۔ تیسری سندھ کے شہر ہالہ میں۔ چوتھی اور پانچویں کراچی میں۔ اس سارے عرصے میں میں اس کے قریب رہی۔ خواہ ہم میز کے ارد گرد بیٹھے ہوں یا سفر درپیش ہو۔ اگر میں چاہوں تو ان دنوں کی ڈائری سامنے رکھ کر اس کی تصویر بنا سکتی ہوں۔ وہ پاکستانی لباس میں ملبوس تھا۔ بھورے، سبز رنگوں کی شلواریں اس نے اس دوران میں پہنیں۔ اور سندھ میں سانگھڑ کے مقام پر مجمع کے سامنے بازو لہرا لہرا کر اردو اور سندھی میں چیخ رہا تھا جہاں کئی سال پہلے اسے قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس نے کہا کہ میں قتل کی ایسی وارداتوں کے لیے اب بھی تیار ہوں۔ یہ ایک بھٹو ہے جذباتی مقرر، قالینوں کا مشتاق اور دوسرا بھٹو وہ ہے جو ہالہ شہر کی ایک خوب صورت حویلی میں لوگوں کو گھنٹوں تک انتظار میں رکھے ہوئے ہے شہر کے معززین گھنٹوں سے اس کے انتظار میں ہیں مگر وہ اپنے کمرے میں بند ہے۔

وہ لکھنے میں مصروف ہے اور جب وہ باہر نکلتا ہے تو رات ہو چکی ہے۔ ایک شہزادے کی طرح وہ خوب صورت قالینوں پر قدم رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ ایک شہزادے ہی کی طرح اپنی نشست پر بیٹھتا ہے اور مجھے اپنے ساتھ بیٹھنے کے لیے کہتا ہے۔

اتنے بہت سارے ممتاز مردوں کے درمیان میں تنہا عورت ہوں۔ یہ گویا ان کی توہین کرنے کی سوچی سمجھی حرکت ہے۔ اپنی نشست سنبھالنے کے بعد وہ اپنی پارٹی کے عہدیداروں، گورنروں علیحدگی پسند لیڈروں ـــــ سبھی سے باری باری ملتا ہے اور اس دوران بار بار اس کی انگلی آنے والے کی طرف اٹھتی ہے۔ آخر میں ایک غریب آدمی آتا ہے جس نے ایک بکری کا بچہ اٹھا رکھا ہے جسے جھالر دار کپڑے میں ڈھانپا گیا ہے۔ اس بکرے کو اس کے اعزاز میں ذبح کیا جائے گا یہ امیر اور مسلمان بھٹو ہے جس میں مغربی تہذیب کبھی تبدیلی نہ لا سکے گی۔

یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ اس کی دو بیویاں ہیں۔ ایک دوسرا بھٹو بھی ہے جو فوجی ہیلی کاپٹر میں محو پرواز ہے۔ ایک غیر آرام دہ ماحول میں وہ ایک چینی ٹوپی پہنے ہوئے ہے جو اسے چو این لائی نے دی تھی ـــــ یہ اس کے لیے ایک نیک شگون ہے۔ دوران پرواز جب وہ بنجر زمینوں کو دیکھتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ یہاں ان کنوؤں سے پانی نکالنے والے کسان بستے ہیں۔ جو زمانہ قبل از تاریخ کی سی زندگیاں گذار رہے ہیں۔ اچانک وہ اپنی مٹھیاں بھینچ لیتا ہے اور کہتا ہے:

"مجھے لازماً کامیاب ہونا چاہیے، ضرور کامیاب ہونا چاہیے۔"

یہ مارکسسٹ بھٹو ہے۔ یہ خواہش اس کے دل و دماغ میں بھری ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ کہ پاکستان سے بھوک اور افلاس کا خاتمہ کیا جائے۔ بھٹو نے راولپنڈی اور کراچی میں اپنی رہائش گاہوں میں میرا خیر مقدم کیا جہاں مجھ سے باتوں کے دوران وہ اندرا گاندھی، مجیب الرحمٰن اور یحییٰ خان پر بے رحمی اور تندہی سے حملہ کرتا رہا۔ اس کے گھر بڑی نفاست سے سجائے گئے ہیں۔ اس کے پاس پرانے ایرانی قالین اور قیمتی جانور ہیں۔ دیواروں پر اس کے طاقتور ہم عصروں کی تصاویر ہیں جن میں پہلی تصویر ماؤزے تنگ کی ہے، رات کے کھانے سے پہلے ہم نے انگوری شراب پی اور شاید مچھلی کا گوشت کھایا۔ اس کی دوسری بیوی نصرت بھی موجود ہے ایک خوب صورت عورت جس کے انداز میں شگفتگی ہے۔ بعد میں اس کا بیٹا بھی وہاں آیا۔ جو ایک چھوٹا سا خوب صورت لڑکا تھا۔ لمبے بالوں والا۔ اور یہ جدید مہذب یورپین بھٹو ہے۔ بھٹو جو ایک خوب صورت مقرر ہے

کتابوں کا مصنف ہے، جو اردو سے بہتر انگریزی جانتا ہے اور کسی بھی یورپین کی ہمدردی حاصل کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ایک جلد بازی میں کیا ہوا تبصرہ دکھائی دے، کیونکہ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے والٹر کرنکائٹ (رچرڈ نکسن، لنڈن بی جانسن، اور آئزن ہاور جیسے عظیم سربراہوں کا ٹیلی ویژن رپورٹر) سے پوچھا کہ بڑے لوگوں کو کیسے پرکھا جا سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ کسی سربراہِ مملکت کو بحیثیت انسان کے نہیں جانچنا چاہیے۔ کیونکہ بحیثیت انسان جب ان کی خوبیاں، خامیاں اور تضادات سامنے آتے ہیں تو پرکھنے والا انہیں پسند کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ کیوں کہ سربراہِ مملکت ایک عام انسان سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

بھٹو کے ساتھ انٹرویو نے ایک عجیب کشمکش میں مبتلا کیا۔ کیونکہ بھٹو صاحب کا معاملہ کیسنجر سے مختلف تھا۔ اس لیے کہ اس کے نتیجے میں سفارتی اور بین الاقوامی جھگڑے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ انٹرویو میں بھٹو صاحب نے اندرا گاندھی کے بارے میں اپنے غصہ کا اظہار کیا، کیونکہ اندرا نے اپنے انٹرویو میں بھٹو کو غیر متوازن شخص قرار دیا تھا چنانچہ بھٹو نے جوابی طور پر کہا کہ وہ ایک اوسط درجے کی عورت ہے " ایک ایسی عورت جس میں قوتِ عمل نہیں۔ فکر کی گہرائی نہیں، ایک ایسی شخصیت جس (نہرو) کا اپنے باپ کی آدھی خصوصیات بھی نہیں ہیں"۔

اس نے یہ بھی کہا کہ " اسے ملنے اور ہاتھ ملانے کی سوچ ہی اسے بیزار کر دیتی ہے۔ چنانچہ اندرا بہت ناراض ہوئی۔ بھٹو اپنی نفرت کی رو میں بہت دور تک بہہ گیا تھا اور میں بھی بہت گھبرائی اور اس گھبراہٹ میں، میں نے اسے کئی بار روکنے کی کوشش بھی کی۔ میں نے کئی بار کہا:

"کیا آپ بے انصافی اور زیادتی سے کام نہیں لے رہے"۔

لیکن بھٹو نے ایک نہ مانی اور ضد کرتا رہا۔ کہ اسی قسم کے مزید توہین آمیز کلمات بھی شامل کیے جائیں۔ ایسے توہین آمیز کلمات جن کو میں نے چھاپنا گوارا نہیں کیا، لیکن اس کے باوجود جو کچھ بچ گیا وہ بھی بڑی زیادتی تھی۔ چنانچہ اس کا نتیجہ نہایت ڈرامائی اور مضحکہ خیز ہوا جس کی میں سنگارانہ طور پر موجب بنی تھی۔

انہی دنوں میں اندرا بھٹو ملاقات ہونے والی تھی، تاکہ بھارت کے اور پاکستان کے درمیان امن معاہدے پر دستخط کر سکیں، لیکن جب اس انٹرویو کے چند فقرے دہلی کے اخبارات میں شائع کیے گئے تو اندرا نے انٹرویو کا متن روم سے بذریعہ تار منگوا کر پڑھا۔ انٹرویو پڑھ لینے کے بعد اس نے اعلان کیا کہ میرے اور وزیر اعظم پاکستان کے درمیان ملاقات نہیں ہو سکتی۔ بھٹو گھبرا گیا اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ وہ کیا کرے۔ آخر کار اس نے مجھ سے رجوع کیا اس نے میری تلاش کی اور اٹلی کے سفیر سے کہا کہ مجھے ڈھونڈ کے لائے۔ اس نے مجھے عدیس ابابا میں ڈھونڈ نکالا۔ جہاں میں ہیل سلاسی کا انٹرویو لینے گئی تھی۔ اور پھر ایک نہایت ہی عجیب اور حیرت انگیز درخواست مجھ سے کی۔

اس نے کہا کہ میں ایک دوسرا مضمون لکھوں اور انٹرویو کے وقوعہ سے انکار کر دوں۔ اور اعلان کر دوں کہ یہ صرف میرا ایک خواب تھا اور یہ کہ اس میں بیان کیے گئے اندرا کے بارے میں خیالات بھٹو صاحب کے نہیں، بلکہ میرے تھے۔ اور یہ میری "قوتِ متخیلہ" کے شاہکار تھے۔ اور اس میں یہ بھی کہ دوں کہ اگر میں اس کا انٹرویو کرتی تو شاید وہ اس طرح کہتا۔

پہلے پہل تو مجھے یوں لگا کہ جیسے میں یہ سب کچھ سمجھ نہ سکی ہوں۔ میں ایسا سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ حیرانگی کے عالم میں، میں نے کہا:

سفیر صاحب! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

میں کہہ رہا ہوں: کہ آپ لکھیں کہ "یہ سب کچھ آپ کے ذہن کی ایجاد تھی اور خصوصاً وہ حصہ جو مسز گاندھی کے بارے میں تھا"۔

اس نے کہا: سفیر صاحب! آپ پاگل ہو گئے ہیں اور شاید تمہارا وزیر اعظم بھی پاگل ہو گیا ہے۔!

سفیر نے کہا: مس فلاسی! آپ کو سمجھنا چاہیے کہ چھ کروڑ انسانوں کی زندگیوں کا دارومدار آپ پر ہے۔ ان کی زندگیاں آپ کے ہاتھ میں ہیں"۔ اس پر میں بہت ناراض ہوئی، اسے جلی کٹی سنائیں۔ میں نے کہا: "تم جہنم میں جاؤ"

اس واقعے کے بعد بھی بھٹو صاحب نے ہمت نہیں ہاری۔ جہاں جہاں میں جاتی رہی مجھے اہم پاکستانی شخصیتیں ملتی رہیں۔ بار بار مجھ سے بھیک مانگی گئی کہ میں انٹرویو کے صحیح ہونے سے انکار کر دوں۔ مجھے بار بار بتایا گیا کہ چھ کروڑ پاکستانیوں کی زندگیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔ غصے کے عالم میں، میں نے کہا کہ ۶ کروڑ پاکستانیوں کی زندگیاں تھامنے کے لیے میرے ہاتھ بہت چھوٹے ہیں ایک دفعہ میں ان پر برس ہی پڑی کہ ان کا مطالبہ فضول اور توہین آمیز ہے۔ یہ ڈرونا خواب اس وقت تک ختم ہوا جب اندرا نے نہایت شاہانہ فراخدلی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھٹو سے امن معاہدے پر دستخط کرنے کے لیے تیار ہے۔ جیسے بھٹو نے کبھی غلطی کی ہی نہیں۔

ان دونوں کو ٹیلی ویژن پر ہاتھ ملاتے اور مسکراتے دیکھنا خاصا دلچسپ نظارہ تھا۔ اندرا کی مسکراہٹ میں فتح اور طنز نمایاں تھی۔ بھٹو کے چہرے سے عدم اطمینان واضح تھا۔ وہ اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی کی سکرین پر بھی اس کے بالوں کی جڑوں تک اس کی شرمندگی کا رنگ نمایاں تھا۔

سوال وجواب

بھٹو: مجھے ضرور بتانا چاہیے کہ میں آپ سے ملنے کا اتنا متمنی کیوں تھا، کیونکہ آپ اکلوتی صحافی ہیں کہ جس نے مجیب الرحمٰن کے بارے میں سچ لکھا ہے۔ مجھے آپ کا مضمون بہت پسند آیا اور ثانیاً اس لیے کہ اس میں آپ نے مارچ میں ڈھاکہ کی فوجی کارروائی میں میرے تعلق کے بارے میں جو لکھا ہے

وہ مجھے کچھ زیادہ پسند نہیں آیا۔

فلاسی: ڈھاکہ کے واقعات سے آپ کا کوئی تعلق نہیں؟ ڈھاکہ میں لوگ کہتے ہیں کہ یہ صرف آپ تھے جو وہاں قتل وغارت چاہتے تھے۔ یہ آپ تھے جو مجیب کی گرفتاری چاہتے تھے اور اسی وجہ سے آپ ۲۶ مارچ کی صبح تک شہر میں ٹھہرے رہے

بھٹو: ناکہ میں انٹرکانٹی نینٹل کی سب سے بلند منزل میں اپنے کمرے کی کھڑکیوں سے یہ خون ریز ڈرامہ دیکھ سکوں؟ وہسکی پیتے ہوئے اور نیرو کی طرح بنسری بجاتے ہوئے؟ انہیں یہ جرات کیسے ہوئی کہ وہ ایسے احمقانہ اور بربریت والے واقعے میں مجھے ملوث کر سکیں۔ یہ سلسلہ ہی بڑا احمقانہ تھا۔ سارے لیڈروں کو تو بھارت بھاگنے دیا گیا اور ظلم علوم پہ ہوا۔ صرف مجیب کو گرفتار کیا گیا تھا۔ تھوڑی سی دلیل کی بات کریں تو میں کہوں گا کہ اگر مَیں کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہوتا تو میں یہ سب کچھ زیادہ ذہانت اور کم ظلم کے ساتھ کرتا۔ آنسو گیس اور ربڑ کی گولیاں ہی کافی تھیں اور اس کے ساتھ ہی تمام لیڈروں کو مَیں گرفتار کر لیتا یہ سب کچھ یحییٰ ایک ایسا بے شرم شرابی ہی کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس آپریشن کو ایک بہت غلیظ اور خونیں طریقے سے انجام تک پہونچایا۔

بہرحال اس سارے پاگل پن سے میری کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ کیا آپ جانتی ہیں کہ یحییٰ کا پہلا شکار مجیب نہیں، میں تھا۔ میری پارٹی کے بہت سے ممبر ۱۹۷۰ء کے اواخر تک جیل میں تھے اور ۵ نومبر ۱۹۷۰ء کو اس نے مجیب سے کہا تھا کیا میں مسٹر بھٹو کو گرفتار کر لوں۔ دیکھئے اس سارے معاملے کی وجہ صرف اتنی تھی کہ وہ چونکہ مغربی پاکستان میں حالات قابو میں نہ رکھ سکا۔ اسی لئے اسے اپنا سارا پروگرام تبدیل کرنا پڑا۔

دوسرے مجیب کبھی ذہین آدمی نہیں رہا۔ اس نے یحییٰ کو اجازت دی کہ وہ اسے بے بس کر دے۔ مختصراً ۲۵ مارچ کے ایلیے نے مجھے بھی حیران کیا۔ یحییٰ خان نے مجھے بھی بے وقوف بنایا۔ اس نے مجھے اس سے دوسرے دن کی ملاقات کا وقت دیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد جنرل محمد عمر نے مجھے بتایا کہ اس کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ میں ڈھاکہ میں رہ جاؤں اور فوج کی اہلیت دیکھوں۔ مَیں قسم کھاتا ہوں کہ سب سچ ہے۔

فلاسی: اچھا جناب والا! مَیں حیران ہوتی ہوں کہ تاریخ کب صحیح واقعات کو سامنے لائے گی کہ اس خوفناک رات اور بعد کے مہینوں میں کیا ہوا۔ مجیب الرحمٰن ....

....

بھٹو: مجیب! تم نے دیکھا ہے کہ ایک زبردست جھوٹا ہے۔ وہ جھوٹ بولے بغیر رہ نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کے اندر کا جھوٹ اس سے زیادہ طاقتور ہے۔ مجیب بغیر تربیت کے اپنے مزاج کی لہروں کے مطابق بولتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تیس لاکھ آدمی مارے گئے۔ وہ پاگل ہے، پاگل ہے۔ اور پریس کے بشمول وہ سب پاگل ہیں جو اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ تیس لاکھ مر گئے۔ تیس لاکھ مر گئے۔ بھارت نے تو دس لاکھ بتائے تھے۔ وہ آیا۔ اس نے اسے دوگنا کر دیا۔ پھر تگنا کر دیا۔ یہ اس کی شخصیت کا خاصا ہے اس نے یہی کچھ طوفان کے بارے میں بھی کہا۔ بھارتی صحافیوں کے مطابق اس رات میں مرنے والوں کی تعداد ۶۰ اور ۷۰ ہزار کے درمیان تھی۔ کچھ مشنریوں کے حوالے سے یہ تعداد ۳۰ ہزار تھی میری اطلاعات کے مطابق یہ تعداد ۵۰ ہزار تھی، لیکن یہ بھی ہے۔ چاہے اس عمل کو ہم اخلاقی طور پر صحیح ہی کیوں نہ قرار دیں۔ یہ بھی بہت ہے۔ میں چیزوں کی وقعت کو کم نہیں کر رہا۔ صرف انہیں صحیح رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ۵۰ ہزار اور تیس لاکھ میں بہت بڑا فرق ہے۔

یہی معاملہ مہاجرین کا ہے، مسز گاندھی انہیں ایک کروڑ بتاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ تعداد مشرقی پاکستان پر اپنے حملے کے جواز کے لیے بتائی جب ہم نے اقوام متحدہ کو چیک کرنے کے لیے بلایا تو بھارتیوں نے مخالفت کی۔ انہوں نے کیوں مخالفت کی؟ اگر ان کی بیان کردہ تعداد درست تھی تو انہیں چیکنگ سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ سچ یہ ہے کہ یہ ایک کروڑ کا نہیں، بیس لاکھ کا مسئلہ تھا۔ ہو سکتا ہے قتل ہونے والوں کے بارے میں میری معلومات غلط ہوں، لیکن مہاجرین کے بارے میں میری معلومات بالکل درست ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ کون کون ملک چھوڑ کر گیا تھا۔ ان میں سے بہت سے مغربی بنگال کے وہ بنگالی تھے جو کلکتہ سے بھجوائے گئے تھے اور بعد میں انہیں واپس بلا لیا گیا۔ چونکہ سارے بنگالی ایک جیسے ہوتے ہیں اس لیے کسی کو کیا پتہ چل سکتا تھا۔

اب آئیے اس المیے کے دوسرے رُخ کی بات کریں کہ کتنی عورتوں کو قتل کیا گیا اور ان کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا۔ میں اس سے یکسر انکار کرتا ہوں، اس میں کوئی شک نہیں کہ زیادتیاں ہوئی ہیں، لیکن جنرل ٹکا خان نے بتایا ہے کہ وہ ان مہینوں میں مقامی آبادی کو بلا کر ان سے شکایات سنا کرتے تھے۔ اس نے یہ اطلاع لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے لوگوں تک بھجوائی اسے صرف ایسے چار کیسوں کے بارے میں بتایا گیا۔ ہو سکتا ہے ہم کو ہم ۱۰ سے ضرب دے کر ۴۰ کر دیں۔ لیکن جو اعداد و شمار مجیب اور اندرا گاندھی کی طرف سے دیئے گئے وہ قطعاً مضحکہ خیز ہیں۔

فلاسی: نہیں جناب! آپ دس سے ضرب نہ دیں، بلکہ اسے ہزار سے ضرب دیں۔ بلکہ دس ہزار سے تو شاید کچھ مطابقت ہو۔ اگر مجیب ۳۰ لاکھ آدمیوں کے مرنے کی لایعنی باتیں کر رہا ہے تو پھر ٹکا خان صاحب ضرور مذاق کر رہے ہوں گے۔ وہ زنا بالجبر کے صرف ۴ واقعات کو تسلیم کرتے ہیں۔

عوام کے ہجوم کے ہجوم قتل کیے گئے ہیں۔ یہ یقین کر رہی ہوں جس نے ڈھاکہ میں لاشیں دیکھیں ہیں۔

اور ضمناً جناب والا!

آپ نے ابھی ایک عجیب ترکیب استعمال کی ہے۔ آپ نے اخلاقی جواز کی بات کی ہے یا صرف جواز کی؟ ہو سکتا ہے مجھے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو۔ انسانوں کے اس قتل عام کا کوئی اخلاقی جواز بھی ہو سکتا ہے؟

بھٹو: ہر حکومت اور ہر ملک کو طاقت استعمال کرنے کا اختیار ہے، جب اس کی ضرورت ہو۔ خاص طور پر سالمیت ملک کے لیے، جب تک آپ تخریب نہ کریں تعمیر نہیں کر سکتے۔ ملک کی تعمیر کے لیے سٹالن نے لوگوں کو مارا۔ اور طاقت استعمال کی۔ ماؤزے تنگ نے مارا اور طاقت استعمال کی۔ یہ تاریخ کی ایسی مثالیں ہیں جنہیں گزرے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ حالات ایسے ہو سکتے ہیں کہ جن میں خون ریز جبر کا جواز نکل سکتا ہے۔ مارچ میں پاکستان کی سالمیت کا انحصار اس پر تھا کہ علیحدگی پسندوں کو کچل دیا جائے لیکن اس قدر ظالمانہ طریقے سے عوام پر ظلم کرنا اور لیڈروں کو چھوڑ دینا ضروری نہیں تھا۔ ظلم سے آپ غریب عوام کو نہیں سمجھا سکتے جنہیں یہ بتایا گیا کہ چھ نکات کے نفاذ کے بعد اب یہاں طوفان نہیں آئیں گے، سیلاب نہیں آئیں گے۔ بھوک نہیں رہے گی۔ میں ان دنوں میں ایسے دعووں کے خلاف بولتا رہا تھا کہ جب کسی میں ایسی جرأت نہیں تھی

اسی: اس کے باوجود آپ نے ٹکا خان کو فوج کا سربراہ بنایا ہے کہ جس نے یہ سارا قتل عام کیا تھا۔ کیا ایسا نہیں ہے؟

بھٹو: ٹکا خان ایک سپاہی تھا اور سپاہی کا کام کر رہا تھا۔ وہ حکم کے تحت گیا اور حکم کے تحت واپس آگیا۔ اس نے وہ کچھ کیا جس کا اسے حکم ملا۔ [illegible] اس نے بہت سی [illegible] نہیں کیا۔ میں نے اس کا انتخاب

سچّے، بااخلاق اور مُستقل مزاج سیاستدان نام کی کوئی چیز نہیں ہے!

اس لیے کیا ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ میرے احکامات کی پیروی کرے گا۔ اور سیاست میں ٹانگ نہیں اڑائے گا۔ میں پوری فوج کو تباہ نہیں کر سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ ڈھاکہ کے حالات کے بارے میں ٹکا خان کو مبالغہ آمیز انداز میں بدنام کیا گیا ہے، لیکن اصل ذمہ داری یحییٰ خان پر عاید ہوتی ہے وہ اور اس کے ساتھی طاقت اور بدعنوانیوں کے نشے میں اتنے چور تھے کہ فوج کی عزت کا احساس نہیں رہا تھا۔ انہیں خوب صورت کاریں خریدنے، دلکش بنگلے بنانے بنکوں سے دوستی کرنے اور پیسہ باہر بھجوانے کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔ یحییٰ خان کو ملک سے محبت نہیں تھی۔ اسے صرف اپنی ذات کے لیے طاقت چاہیے تھی اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ آپ ایک ایسے لیڈر کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہیں کہ جو صبح سویرے اٹھتے ہی شراب پینا شروع کر دیتا ہے اور سونے تک پیتا رہتا ہے۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ اس کے ساتھ بیٹھنا کتنا مشکل تھا۔ اس کی حالت "جیک ربر" جیسی ہو گئی تھی۔

فلاسی: یحییٰ خان اب کہاں ہے؟ آپ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں؟

بھٹو: اسے راولپنڈی کے نزدیک ایک سرکاری بنگلہ میں [illegible] ایک بہت بڑا مسئلہ

حل کرنا ہے۔ میں نے ایک جنگی کمیشن ترتیب دیا ہے تاکہ وہ جرائم میں شریک لوگوں کی نشاندہی کرے، میں اس کی رپورٹ کا انتظار کر رہا ہوں۔ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اگر کمیشن اسے مجرم سمجھتا ہے تو اس پہ مقدمہ چلایا جائے گا۔ جو شکست ہم سب کو ہوئی ہے وہ اس کی ذاتی ہے مسز گاندھی سچ کہتی ہیں کہ انہوں نے جنگ جیتی ہے، مگر انہیں ساتھ ہی ساتھ یحییٰ خان اور اس کے ان پڑھ نفسیاتی مریض ٹولے کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ یحییٰ خان کو کوئی ٹھیک کی بات کرنا مشکل تھا۔ اس سے ملک کہ آدمی صرف غصے میں آسکتا تھا۔

ڈھاکہ میں اس خوب صورت مصروفیات کے بعد اپریل میں اس نے مجھے بلایا۔ وہ مطمئن پُراعتماد اور اس بات پہ قائم دکھائی دیتا تھا کہ اس نے صورت حال پر قابو پا لیا ہے اس نے مجھے شراب پیش کی اور کہا کہ ہم سیاستدانوں کا تو معاملہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ مجیب ہی نہیں بلکہ میں بھی ایک احتجاجی سیاست دان (ایجیٹیٹر) ہوں۔ میں بھی ملک کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ مختلف حلقے زور دے رہے ہیں کہ بھٹو کو گرفتار کر لیا جائے۔ اس پر مجھے اتنا غصہ آیا کہ میرا سارا توازن جواب دے گیا [illegible]

دہانے لا کھڑا کیا ہے) میں وہسکی کا گلاس دور پھینک دیا اور باہر نکل آیا۔ باہر مجھے جنرل پیرزادہ نے روک لیا۔ اس نے میرا بازو پکڑ کر کہا: آؤ بیٹھو۔ غصہ تھوک دو۔ اور واپس اندر جاؤ" میں نے اپنے آپ کو کنٹرول کیا اور واپس اندر چلا گیا۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ مجھ میں اور مجیب میں بہت فرق ہے۔ وہ علیحدگی پسند تھا اور میں نہیں ہوں۔ مگر یہ سب کچھ فضول تھا۔ مجھے سننے کی بجائے وہ صرف پیتا رہا۔ پیتا رہا۔ پھر اس کے بعد وہ بدتمیز ہو گیا اور ......

فلاسی: جناب والا! آیئے تھوڑی دیر کے لیے واپس اسی لمحے میں چلیں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ اس خونی مارچ تک آپ کیسے پہنچے آپ کے پاس اس کا اخلاقی جواز تھا کہ نہیں۔؟

بھٹو: دیکھیے ۲۷ جنوری کو میں ڈھاکہ میں مجیب سے بات چیت کرنے کے لیے گیا تھا۔ اس سے جب بھی معاملات کے بارے میں بات کرنی ہوتی تھی تو ڈھاکہ کی زیارت کرنا پڑتی تھی۔ اس نے کبھی راولپنڈی کو شرف قبولیت نہیں بخشا۔ حالانکہ اس روز میرے بہنوئی کی وفات ہوئی تھی اور اسے لاڑکانہ میں ہمارے خاندانی قبرستان میں دفن کیا جا رہا تھا۔ میں اس کے باوجود چلا گیا۔ اس پر میری بہن بہت ناراض ہوئی۔ الیکشن میں مجیب نے مشرقی پاکستان اور میں نے مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل کی لیکن اب وہ چھ نکاتی فارمولے پر اصرار کر رہا تھا اور ہم دونوں میں کوئی نہ کوئی سمجھوتہ قرار پاتا تھا۔ یحییٰ خان کا مطالبہ تھا کہ ۱۲۰ دنوں میں آئین تیار کر لیں ورنہ اسمبلی توڑ دی جائیگی اور نئے الیکشن کرائے جائیں گے۔ یہ ایک بہت مایوس کن کام تھا۔ کیونکہ مجیب کو سمجھانا بہت مشکل تھا۔ جس شخصیت کے پاس دماغ ہو ہی نہیں اس سے آپ ذہانت کی توقع کیسے کر سکتے ہیں۔ میں نے دلیلیں دیں، سمجھایا لیکن اس نے تسلسل اور تکرار کے ساتھ بور کن حد تک یہی کہا: "چھ نکات چھ نکات، کیا تم میرے چھ نکات کو تسلیم کرتے ہو" اوہ خدایا! پہلے دوسرے اور تیسرے پر تو بات ہو سکتی ہے، مگر چوتھے نکتے میں یہ تھا کہ ہر صوبہ بیرونی تجارت کر سکتا ہے اور بیرونی امداد حاصل کر سکتا ہے ایسی صورت میں ملک کی سالمیت کا کیا ہو گا۔ اس کے ساتھ مجیب کے بارے میں یہ تاثر عام تھا کہ وہ مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ کہ ۱۹۶۶ء سے اس کے بھارتیوں سے تعلقات تھے۔ جنوری میں ہمارے مذاکرات میں خلل آگیا اور مارچ آپہنچا۔ مارچ کے وسط میں یحییٰ کراچی آیا اور وہ ڈھاکہ جا رہا تھا۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ میں نے کہا میں ساتھ چلتا ہوں اگر مجیب میرے ساتھ مذاکرات کرنے کے لیے تیار ہے۔ ڈھاکہ سے یحییٰ خان نے تار دی کہ مجیب مذاکرات کے لیے تیار ہے۔ ۱۹ مارچ کو میں ڈھاکہ روانہ ہوا۔ ۲۰ کو یحییٰ سے ملا اور ۲۱ کو مجیب سے۔ اس وقت یحییٰ بھی میرے ساتھ تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ مجیب یحییٰ کے ساتھ شیر و شکر تھا۔ اس نے کہا:

جناب صدر! میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو جائے۔ مجھے بھٹو سے کوئی سروکار نہیں۔ ....

.... میں پریس کو یہ بتاؤں گا کہ میں صدر سے ملا جبکہ اتفاقاً مسٹر بھٹو بھی وہاں موجود تھے۔ یہ ساری باتیں اس نے سرخوشی کے عالم میں کیں۔ اس پر یحییٰ نے کہا:

نہیں نہیں! مجیب! تمہیں اپنی بات ضرور کہنی چاہیے۔ مجیب نے کہا:

"طوفان میں بہت سے لوگ مارے گئے ہیں، بہت سے لوگ مارے گئے ہیں"

یہ تھا اس کا انداز۔ اچانک کوئی فقرہ اس کے ذہن سے چپک جاتا تھا۔ چاہے اس فقرے کا گفتگو سے تعلق ہو یا نہ ہو اور پھر وہ اس فقرے کو پاگل آدمی کی طرح دہراتا رہتا تھا۔ اس پر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا میں نے کہا: میرا طوفان سے کیا تعلق ہے۔ کیا میں نے طوفان بھیجا ہے؟" اس پر مجیب اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے کہا مجھے ایک جنازے میں شرکت کے لیے جانا ہے اور چلیے چھوڑیے اس قصے کو۔

فلاسی: جناب والا! جاری رکھیے:

بھٹو: اصل بات یہی ہے کہ آپ مجیب کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہر چیز ناقابل یقین سی لگتی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دنیا اسے اتنی اہمیت کیوں دیتی ہے؟ خیر! میں بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اسے باہر کے کمرے تک چھوڑنے کے لیے آیا۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ باہر کے کمرے میں تین افراد بیٹھے تھے۔ یحییٰ کا پرائیویٹ سیکرٹری۔ ملٹری سیکرٹری اور اس کا سیاسی قصاب جنرل عمر۔ اس پر مجیب نے چیخنا شروع کر دیا "چلے جاؤ۔ چلے جاؤ۔ تم سب چلے جاؤ مجھے بھٹو سے باتیں کرنی ہیں" وہ تینوں باہر چلے گئے۔ مجیب بیٹھ گیا اور کہنے لگا:

"میرے بھائی! ہمیں ضرور کسی معاہدے پر پہنچنا چاہیے، میرے بھائی ہمیں ضرور کسی معاہدے پر پہنچنا چاہیے۔ میرے بھائی خدا سے محبت کے نام پر میں تم سے اپیل کرتا ہوں"

میں سخت حیران ہوا اور اسے باہر لے گیا تاکہ ہمیں کوئی سن نہ سکے۔ باہر بڑی جوشیلی آواز میں اس نے اعلان کیا کہ میں مغربی پاکستان لے لوں اور وہ مشرقی پاکستان۔ اور یہ کہ اس نے ایک خفیہ اجلاس کا بندوبست کر رکھا ہے جب شام گہری ہو گئی تو اس نے مجھے بلایا۔ میں نے اسے صاف بتا دیا کہ مجھے یہ تجویز منظور نہیں۔ میں ڈھاکہ اس لیے نہیں آیا تھا کہ چوروں کی طرح رات کو درخت کے نیچے اسے ملوں۔ میں پاکستان توڑنا نہیں چاہتا۔ اور وہ پاکستان کو توڑنا چاہتا ہے تو

وہ اسمبلی میں تجویز پیش کرے۔ کیونکہ اس کے پاس اکثریت ہے۔ لیکن یہ دیوار سے گفتگو کرنے کے مترادف تھا۔ مجھے اس سے بعد کی گفتگو میں اپنے ترجمانوں کے ذریعے کرنی پڑیں۔ آپ جانتی ہیں جو ہوا۔ ہم کسی نتیجے پر نہ پہونچ سکے بے شک ان دنوں میں وہ عام حالات سے بھی زیادہ پاگل تھا وہ بغیر کسی وجہ کے ناراض ہوگیا حتی کہ ۲۵ تاریخ آپہونچی۔

فلاسی: کیا آپ نے ۲۵ تاریخ کو کوئی خاص شک والی بات محسوس کی تھی؟

بھٹو: ہاں مجھے ایک عجیب سی بے چینی اور اضطراب دماغ کی طرف جاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ہر شام میں یحییٰ کو بتانے جاتا تھا کہ مجیب اور میں مذاکرات میں آگے نہیں بڑھ رہے اور یحییٰ ہر شام عدم دلچسپی کا اظہار کرتا تھا۔ کبھی وہ ادھر ادھر دیکھتا، کبھی وہ ٹیلی ویژن کی کی خرابی کا ذکر کرتا۔ کبھی وہ بڑبڑاتا کہ وہ اپنے پسندیدہ گانے نہیں سن سکا۔ کیونکہ اس کا ریکارڈ بھی راولپنڈی سے نہیں پہونچا تھا۔ پھر ۲۵ کی صبح کو اس نے مجھے ایک بات کہہ کر حیران کر دیا۔ اس نے کہا کہ:

" آج مجیب سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کل صبح میں اور تم دونوں اس سے ملیں گے"

میں نے کہا اچھا اور اس شام آٹھ بجے میں نے مجیب کے پیامبر کو یہ ساری باتیں بتا دیں اس پر مجیب نے سوالیہ انداز میں جواب دیا

" وہ کتیا کا بچہ پہلے ہی جا چکا ہے"

مجھے یقین نہیں آیا۔ میں نے صدر کی قیام گاہ پر ٹیلی فون کیا اور صدر سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے مجھے کہا کہ وہ جنرل ٹکا خان کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں اس لیے انہیں ڈسٹرب نہیں کیا جاسکتا۔ اس پر میں نے ٹکا خان کو فون کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ یحییٰ خان کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں اس لیے انہیں بلایا نہیں جاسکتا۔ اس پر مجھے فکر لاحق ہوئی۔ اور مجھے شک ہوا کہ کوئی چال چلی گئی ہے میں نے رات کا کھانا کھایا اور سوگیا۔ مجھے توپوں کی آواز نے اٹھایا تو میں نے دیکھا میرے دوست دوسرے کمروں سے میرے کمرے میں آرہے ہیں۔ میں دوڑ کر کھڑکی کی طرف گیا اور خدا گواہ ہے کہ میں رو پڑا اور روتا ہی رہا۔ اور بے اختیار میرے لبوں سے نکلا:

" میرا ملک ختم ہوگیا"

فلاسی: کیوں؟ آپ نے کھڑکی میں سے باہر کیا دیکھا:

بھٹو: میں نے بلا امتیاز قتل وغارت کا منظر نہیں دیکھا۔ بلکہ میں نے دیکھا کہ سپاہی اپوزیشن کے اخبار " دی پیپل" کے دفتر کو منہدم کر رہے تھے۔ اس اخبار کا دفتر انٹر کانٹی نینٹل کے سامنے تھا۔ اپنے لاؤڈ سپیکروں کے ذریعہ وہ لوگوں سے منتشر ہونے کے لیے کہ رہے تھے۔ جو بھی باہر آیا اسے مشین گن کے ڈراوے سے ایک طرف کھڑا کر لیا گیا۔ دوسرے گروہوں کو جو فٹ پاتھوں پہ جمع تھے مشین گنوں کے ذریعے وہیں روک دیا گیا۔ ہوٹل کے اردگرد ٹینک کھڑے تھے جو بھی ہوٹل میں پناہ لینے کی کوشش کرتا سپاہی اسے پکڑ لیتے۔ بس یہی کچھ میں نے دیکھا۔ جب میں ڈھاکہ چھوڑ کر واپس آرہا تھا تو صبح ۸ بجے مجھے پتہ چلا کہ مجیب کو گرفتار کر لیا گیا۔ آپ پوچھیں گی کہ مجھے یہ کیسا محسوس ہوا۔ میں خوش ہوا کہ وہ زندہ ہے۔ میں نے سوچا کہ وہ اس کے ساتھ تھوڑا سا جسمانی تشدد کریں گے۔ ہوسکتا ہے اس سے معاہدے کی راہ ہموار ہو جائے۔ میرا خیال تھا وہ اسے ایک یا دو مہینے جیل میں رکھیں گے اسی اثنا میں ہم امن وامان کی صورت بہتر بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

فلاسی: جناب والا! مجیب نے آپ سے کہا تھا کہ آپ مغربی پاکستان لے لیں اور میں مشرقی پاکستان لے لیتا ہوں اور بعد میں فی الواقع یہی ہوا۔ کیا آپ اس بنا پر اس سے نفرت کرتے ہیں؟

بھٹو: نہیں ہرگز نہیں۔ اور یہ میں بھارتی منافقوں کی طرح نہیں کہ رہا۔ میں مخلصانہ طور پہ کہ رہا ہوں۔ کیونکہ نفرت کی بجائے مجھے اس پر بے پناہ ترس آتا ہے۔ وہ بیچارہ اتنا نااہل فریب خوردہ، عقل سلیم اور تہذیب سے محروم شخص ہے کہ وہ کسی بھی مسئلے کو حل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ چاہے وہ سیاسی ہو یا معاشرتی۔ معاشی ہو یا بین الاقوامی۔ وہ صرف اتنا جانتا ہے کہ چیخا کیسے جاسکتا ہے اور پروپیگنڈا کیسے کیا جاسکتا ہے۔ میں اسے ۱۹۵۴ء سے جانتا ہوں۔ میں نے اسے کبھی اسے سنجیدگی سے نہیں لیا۔ مجھے شروع ہی سے علم تھا کہ اس میں کوئی گہرائی نہیں۔ اس نے کبھی سلیقے سے تیاری نہیں کی۔ وہ ایک ایسا ایجی ٹیٹر تھا جو نظریات کے بغیر بے پناہ آگ اپنے منہ سے نکال سکتا تھا۔ اس کے پاس صرف ایک ہی نظریہ تھا اور وہ علیحدگی کا۔ ایسے آدمی پر سوائے ترس کھانے کے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

۱۹۶۱ء میں جب میں ایک دفعہ ڈھاکہ گیا تو میں نے اسے دیکھا کہ وہ میرے ہوٹل کی لابی میں موجود تھا۔ میں اس کے پاس گیا۔ اور کہا "ہیلو! مجیب! آؤ چائے کا ایک کپ پئیں" وہ نیا نیا جیل سے باہر آیا تھا۔ اور اس میں تلخی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہم دیر سے گفتگو کرتے رہے۔ اس نے کہا مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کا استحصال کر رہا ہے۔ اس کا خون چوس رہا ہے، اسے نوآبادی سمجھے ہوئے ہے اور یہ سب سچ تھا اور یہی بات اس نے اپنی کتاب میں بھی لکھی تھی، لیکن میں نے نتائج اخذ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس لیے یہ نہیں کہا کہ خرابی معاشی نظام اور حکومت میں تھی۔ اس نے سوشلزم اور جدوجہد کی بات نہیں کی، بلکہ اس کے برعکس اس نے کہا کہ لوگ جدوجہد کے لیے تیار نہیں ہیں اور یہ کہ فوج کی مخالفت نہیں کی جاسکتی اور یہ کہ فوج ہی بے انصافیاں ختم کرسکتی ہے۔ وہ بالکل بہادر نہیں تھا، وہ کبھی بھی ایک شجاع انسان نہیں رہا، وہ صحافیوں سے کیسے کہ سکتا ہے

کہ وہ "شیر بنگال" ہے۔؟

فلاسی: وہ تو یہی کہتا ہے کہ اس نے مقدمے میں اپنا دفاع کرنے سے انکار کر دیا اور اس کا گرفتاری کے بعد رویہ بڑا دلیرانہ تھا۔ وہ ایک کوٹھڑی میں تھا جہاں اس کو سونے کے لیے ایک گدا بھی نہیں دیا گیا تھا۔

بھٹو: چلو چھوڑیئے اس بات کو وہ کوٹھڑی میں نہیں تھا وہ ایک بنگلے میں تھا۔ جو اہم سیاسی قیدیوں کے لیے لائل پور اور میانوالی کے قریب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسے پڑھنے کے لیے اخبار نہیں دیئے جاتے تھے۔ اور نہ ہی ریڈیو دیا گیا تھا، مگر پوری گورنر کی لائبریری اس کے لیے وقف تھی۔ اس نے یہاں آرام سے وقت گزارا۔ ایک وقت میں اسے بنگالی باورچی بھی دیا گیا کیونکہ وہ بنگالی کھانے چاہتا تھا۔ جب مقدمہ شروع ہوا تو اس نے اپنا دفاع کیا اور دیکھیے وہ بھی کیسے اس نے کمال حسین اور اے کے بروہی دو مشہور وکیلوں کی خدمات حاصل کرنے کی خواہش کی۔ اس کا قانونی مشیر اور دوست کمال حسین اس وقت جیل میں تھا اور بروہی نہیں۔ بروہی کو وکیل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بہترین میں سب سے بہتر وکیل کر لیا جائے۔ میں آپ کو ایک اور بات بتاتا ہوں بروہی اس کا وکیل نہیں بننا چاہتا تھا، لیکن یحیٰی خان نے اسے مجبور کیا اور بروہی اپنے چار نائبین کے ساتھ اس کے مقدمے میں دفاع کے لیے پیش ہوا۔ بہت مہنگا مقدمہ تھا۔ بروہی میں ایک خرابی ہے وہ بولتا بہت ہے۔ چنانچہ جب وہ لائل پور سے واپس کراچی گیا تو اس نے مجیب کے ساتھ کی گئی گفتگو لوگوں کو بتائی کہ اسے مجرم ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔ مجیب نے ساری باتیں اس انداز میں کی تھیں کہ جس سے اس کی یحیٰی خان اور سالمیت ملک سے محبت ظاہر ہوتی تھی۔ مجیب ہمیشہ یہ کہتا رہا کہ یحیٰی خان ایک اچھا آدمی ایک محب وطن ہے جسے بھٹو نے گمراہ کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی گرفتاری ہوئی۔ یہ باتیں مجھے جنرل پیرزادہ نے بتائیں میں پیرزادہ سے کہا تم اسے مجھے دے دو۔ تم دیکھو گے کہ وہ مجھے اچھا اور عظیم محب وطن کہے گا اور تمہاری بے عزتی کرے گا اور ایسا ہی ہوا۔

فلاسی: مگر اسے سزا دی گئی۔؟

بھٹو: نہیں، سپیشل ٹریبونل نے اسے مجرم ثابت کر دیا، مگر اس کے بعد یہ یحیٰی خان پر بحیثیت مارشل ایڈمنسٹریٹر کے تھا کہ وہ اسے سزا دیتا مجیب کی سزا پانچ سال قید یا عمر قید یا موت ہو سکتی تھی۔ یحیٰی نے کوئی فیصلہ نہیں کیا جنگ شروع ہو گئی اور وہ بہت سے دوسرے کاموں میں پھنس گیا

فلاسی: مجیب نے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے اس کی قبر کھود رکھی تھی۔

بھٹو: کیا آپ جانتی ہیں کہ وہ قبر کہاں تھی۔؟ وہ تو ہوائی حملے سے بچاؤ کی ایک خندق تھی جو جیل کی دیواروں کے ارد گرد کھودی گئی تھی بیچارہ مجیب اتنا ڈرپوک تھا کہ اسے ہر چیز میں اپنی موت نظر آتی تھی، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یحیٰی اسے قتل کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ۲۷ دسمبر کو میں نے جب نئے صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ یہ یحیٰی خان سے ملا۔ وہ مایوس اور شراب کے نشے میں چور تھا وہ "ڈورین گرے" کی تصویر لگ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ مجھ سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی ہے کہ مجیب کو قتل نہیں کیا۔ اگر چاہو تو یہ کام

مَن مَوجی —
مُتلوّن مزاج —
حیران کن فیصلے کرنے والا

اُس کی آنکھوں میں پُر اسرار اُداسی کی جھلک تھی اور مُسکراہٹ میں شرمیلاپن!

آپ کے سامنے ہر بار اس کا نیا چہرہ ابھرتا ہے!

وہ ہمارے عہد کا پیچیدہ ترین لیڈر ہے!

اسے اقتدار سے عشق ہے

اطالوی صحافی خاتون مس آریانہ فلاسی۔

تم کر دینا۔

فلاسی: اور پھر آپ نے کیا۔؟

بھٹو: میں نے کہا یہ میں نہیں کروں گا اور کچھ دنوں کی سوچ بچار کے بعد میں نے مجیب کو رہا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پوری دنیا میں فوج کے مفروضہ مظالم کی بنا پر بدنام ہونے کے بعد پاکستان کو کچھ ہمدردی کبھی چاہیے تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ رحم دلانہ عمل پاکستان کے لیے سودمند ہوگا۔ اس کے علاوہ میں نے یہ بھی سوچا کہ اس کے نتیجے میں جنگی قیدیوں کی رہائی کا امکان بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے فوراً لائل پور ایک حکم بھیجا کہ مجیب کو راولپنڈی لایا جائے۔ جب حکم پہونچا تو مجیب ڈر گیا۔ وہ آہ و بکا کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اسے باہر نکال کر قتل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ وہ راستے بھر سکون سے نہیں بیٹھا حتیٰ کہ اس بنگلے میں بھی نہیں جو میں نے اس کے لیے مخصوص کرایا تھا۔ ایک خوبصورت بنگلہ جو صرف اہم لوگوں کے لیے تھا جب میں وہاں ایک ریڈیو، ٹیلی ویژن سیٹ اور کپڑوں کے بنڈل کے ساتھ پہونچا اس نے مجھ پر سوال پھینکا:

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

میں نے اسے بتایا کہ میں صدر بن چکا ہوں جس پر اس کا موڈ بالکل تبدیل ہو گیا۔ اس نے میری گردن کے اردگرد باہیں ڈال دیں اور کہا کہ یہ اس کی زندگی کی بہت ہی اچھی کی خبر ہے اور یہ کہ خدا ہمیشہ اس کو مجھے بچانے کے لیے بھیجتا رہا ہے ....

.... (یہ دوسرا موقع تھا کہ میں نے اسے بچایا) پھر جیسا کہ مجھے اندازہ تھا اس نے یحیٰ پر لعنت ملامت شروع کر دی۔ اس لمحے کے لیے رک کر اس نے صرف اتنا پوچھا کہ کیا وہ اپنے آپ کو آزاد تصور کر سکتا ہے۔؟

بعد میں، میں اسے دو دفعہ اس کے ڈھاکہ (بذریعہ لندن) جانے سے پہلے ملا۔ دونوں دفعہ اس نے اپنا قرآن نکالا اور قسم کھائی کہ وہ مغربی پاکستان سے تعلقات رکھے گا۔ جب صبح تین بجے میں جہاز پر اسے رخصت کرنے گیا، اس وقت بھی میں نے اس بات کا مظاہرہ کیا کہ میں اس کی بات سے بہت خوش ہوا ہوں۔ اس نے قسم کھائی اور معانقہ کیا۔ اس نے میرا شکریہ ادا کیا۔ اس نے بار بار کہا کہ وہ ہمیشہ میرا شکر گزار رہے گا۔ اس نے کہا:

"آپ پریشان نہ ہوں جناب صدر! میں جلد واپس آؤں گا۔ میں تمہارے خوب صورت ملک کو مزید دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے جلد ہی دوبارہ ملیں گے، بہت ہی جلد۔"

اسی: کیا آپ کو اسے رہا کرنے کا افسوس ہوا؟

بھٹو: نہیں کبھی نہیں۔ وہ میری طرح پاکستانی ہے وہ چاہے کچھ بھی کہتا رہے اور ایک سے زیادہ دفعہ ہمیں ایک جیسے الزامات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ہم دونوں ایک جیسے ہیں اور ہمارے درمیان ایک رشتہ قائم ہے مجھے وہ لمحہ ہمیشہ یاد رہے گا جب میں نے ایک روز جیل ہی میں اسے دیکھا جب وہ میرا بازو پکڑ کے رویا تھا۔ اور اس نے اپنی زندگی کی بھیک مانگی تھی:

"مجھے بچا لو، مجھے بچا لو"

یہ واقعی اس پر رحم آتا ہے۔ اور اس کے اوہ بیچارہ مجیب وہ زیادہ دیر رہ نہیں سکتا۔ آٹھ مہینے یا ایک سال اس کے بعد سے ایک بحران آ لے گا جب بحران اس نے خود پیدا کیا تھا

آپ جانتے ہی ہیں کہ بنگلہ دیش آج کل بھارت کا طفیلی ہے، لیکن یہ جلد ہی روس کا طفیلی بن جائے گا۔ اور مجیب کمیونسٹ نہیں ہے۔ اور اگر وہ ساری صورت حال سے عہدہ برآ ہو بھی جائے، جس کا امکان نظر نہیں آتا، تو پھر بھی چین نواز اس کے پیچھے رہیں گے جنہوں نے دراصل یہ جنگ جیتی ہے۔

سیاسی طور پر مکتی باہنی کی کوئی حیثیت نہیں ہے چونکہ ان کی کوئی نظریاتی اور تنظیمی تربیت نہیں ہے معاشرتی طور پر وہ محض بدامنی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ لوگوں کو خوفزدہ کیسے کیا جا سکتا ہے، ہوائی فائرنگ کیسے کی جا سکتی ہے۔ اور جے بنگلہ کا نعرہ کیسے لگایا جاتا ہے۔ اور کسی ملک کو آپ صرف جے بنگلہ کے نعرے سے چلا نہیں سکتے۔ بنگال کے چین نواز کافی بہتر پوزیشن میں ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بیشتر نے ماؤ کی سرخ کتاب کو آدھا بھی نہیں پڑھا۔ مگر اس کے باوجود وہ ایک فعال قوت ہے اور بھارت انہیں استعمال نہیں کر سکتا۔ میرے خیال میں وہ پاکستان کی سالمیت کے خلاف بھی نہیں ہیں۔ آخر کار انہی لوگوں کا غلبہ ہو جائے گا۔ میرے خدایا! اس قسم کی پیچیدہ صورت حال کا سامنا صرف کوئی نابغہ یا عبقری ہی کر سکتا ہے۔

ذرا تصور کیجیے۔ کہ مجیب جب ان سے عہدہ برآ ہوگا تو کیا ہوگا۔ اس کے علاوہ وہ بنگال کی سرزمین ہی کچھ بد قسمت ہے، ہر وقت طوفان سیلاب، ایسا لگتا ہے کہ ان کا ستارہ منحوس ہے اور اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ زمین دنیا کی بنجر ترین زمینوں میں سے ہے۔ آپ نے ڈھاکہ کو ۱۹۴۷ء میں اور ۱۹۵۴ء میں دیکھا ہوگا۔ ڈھاکہ ایک گندہ گاؤں ہوا کرتا تھا، جس میں گلیاں تک نہیں تھیں، لیکن اب تو ہر چیز تباہ ہو گئی۔ شکریہ ادا کیجیے مکتی باہنی کے ڈائنا مائٹ کا بنگلہ دیش.........

فلاسی: میں حیران ہوں کہ آپ نے بنگلہ دیش کہا۔

بھٹو: بے شک میں غصے اور نفرت سے کہہ رہا ہوں۔ بے شک وہ میرے لیے اب بھی مشرقی پاکستان ہے۔ لیکن صحیح یا غلط جو چاہے یہ بھارتی لشکر کشی ہی کا نتیجہ ہے، پچاس ملک اسے تسلیم کر چکے ہیں۔ مجھے یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے۔ میں بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ بھارت ہمیں ہمارے فوجی قیدی واپس کر دے۔ بشرطیکہ بہاریوں کا قتل عام بند ہو جائے۔ بشرطیکہ وفاق پرستوں کو تنگ نہ کیا جائے اگر ہم ایک وفاق میں دوبارہ مجتمع ہو جائیں تو اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے سفارتی

تعلقات قائم کرنے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ دس، پندرہ سال کے اندر اندر پاکستان اور بنگلہ دیش ایک وفاق کی صورت میں اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے ایسا ہونا چاہیے۔ ورنہ خدا کون پرکھ کرے گا مشرقی بنگال جو بھارت سے الگ ہونا چاہتے ہیں۔؟ مشرقی بنگالیوں اور مغربی بنگالیوں میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے۔ جب کہ ہمارے اور مشرقی بنگالیوں کے درمیان مذہب مشترک ہے ۱۹۴۷ء کی تقسیم ایک بہت اچھا واقعہ تھا۔

فلاسی: بہت اچھا۔ دو حصوں میں منقسم ایک ملک کی تخلیق جن کے درمیان دو ہزار کلومیٹر کا فاصلہ حائل ہے اور درمیان میں بھارت۔

بھٹو: یہ دو حصے تمام غلطیوں کے باوجود ۲۵ سال تک اکٹھے رہے۔ ریاست صرف ایک علاقائی اور جغرافیائی تصور نہیں ہوتا۔ جب جھنڈا ایک ہو، قومی ترانہ ایک ہو، مذہب ایک ہو تو فاصلے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ جب مغلوں نے ہندوستان کو ایک متحدہ ریاست بنایا تو اس علاقے کے مسلمانوں کو وہاں تک پہنچنے کے لیے سو دن کا وقت لگتا تھا۔ اب ہوائی جہاز سے وہاں پہنچنے میں صرف دو گھنٹے درکار ہوتے ہیں، کیا آپ سمجھ رہی ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں؟

فلاسی: نہیں جناب والا! مجھے اندرا گاندھی کی بات زیادہ سمجھ میں آتی ہے جب وہ کہتی ہیں کہ ۱۹۴۷ء کی تقسیم غلط تھی۔ اور ۱۹۷۰ء کے عشرے میں مذہبی جنگوں کا تصور ایک حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

بھٹو: مسز گاندھی کا صرف ایک خواب ہے سارے برصغیر پر قبضہ، ہم پر تسلط۔ ان کی پسند تو یہ تھی کہ ایک کنفیڈریشن بن جائے تاکہ کرۂ ارض سے پاکستان کا نشان مٹا دیا جائے۔ اسی لیے وہ کہتی ہے کہ ہم بھائی ہیں۔ ہم بھائی نہیں ہیں، ہم کبھی بھائی نہیں رہے ہمارا مذہب [illegible] تک اثر انداز [illegible] زندگی پر اس کا بہت گہرا اثر ہے۔ ہماری ثقافتیں مختلف ہیں، ہمارے رویے مختلف ہیں۔ پیدائش سے لے کر موت کے لمحے تک مسلمان اور ہندو ایسی رسوم و رواج اور ایسے قوانین کے تحت زندگیاں گذارتے ہیں جن کا ایک دوسرے سے کوئی ربط اور کوئی تعلق نہیں حتیٰ کہ ان کے کھانے پینے تک کے اسلوب مختلف ہیں۔ وہ اپنے اپنے عقیدوں کے ساتھ سختی سے جڑے ہوئے ہیں اور ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان کے درمیان کبھی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ مغلوں سے لے کر انگریزوں تک صرف آمرانہ بادشاہتیں اور غیر ملکی حکمران ہی انہیں اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں؟ ہمارے درمیان کبھی بے ضرر مراسم قائم نہیں ہو سکے۔

ہندو ایسی نرم خو مخلوق نہیں ہیں جیسا کہ اندرا آپ کو تاثر دے رہی ہیں۔ وہ اپنی آوارہ گائے کا احترام کرتے ہیں، لیکن مسلمانوں کا نہیں۔ ہمیشہ ان کی توہین کی جاتی ہے اور ان سے بدسلوکی کی جاتی ہے۔ میں ۱۹۴۴ء کے ایک واقعے کو کبھی نہیں بھول سکتا جو میرے ساتھ پیش آیا۔ میں اپنے والدین کے ساتھ چھٹیاں گذارنے کے لیے کشمیر میں موجود تھا میں ایک پہاڑی کے اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر بھاگ رہا تھا۔ جیسا کہ لڑکے کیا کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے سخت پیاس محسوس ہوئی۔ میں ایک شخص کے پاس گیا جو مشروبات بیچ رہا تھا میں نے اسے پانی کے لیے کہا۔ اس نے کپ میں پانی بھرا اور میرے حوالے کرنے لگا، اچانک وہ رکا اور اس نے پوچھا:

"کیا تم ہندو ہو یا مسلمان؟"

میں جواب دینے میں متامل ہوا کیونکہ مجھے سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ آخر کار میں نے کہا:

"میں مسلمان ہوں"

اس نے پانی زمین پر گرا دیا — یہ بات اندرا گاندھی کو بتا دیجیے۔

فلاسی: کیا آپ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہو سکتے ہیں —؟ کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں؟

بھٹو: میرے دل میں اس کی کوئی عزت نہیں میرے لیے وہ اوسط درجے کی ایک عورت ہے — جو اوسط درجے کی ذہانت کی مالک ہے۔ اس میں کوئی عظمت نہیں البتہ وہ ملک عظیم ہے جس پر وہ حکمرانی کر رہی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اصل چیز وہ تاج ہے جو اس کی درازیٔ قد کی وجہ ہے۔ حالانکہ اس کا اپنا قد بڑا مختصر ہے — اور اس کا نام ہے جو اہمیت رکھتا ہے۔ یقین کیجیے اگر وہ سیلون کی وزیر اعظم ہوتی تو وہ مسز بندرا نائیکے ہوتی اور اگر وہ اسرائیل کی وزیر اعظم ہوتی — میں مسز گولڈا میر سے اس کا مقابلہ کرنے کی جرات نہیں کروں گا۔ گولڈا اس سے بہت بڑھ کر ہے۔ وہ ایک تیز طرار دماغ کی مالک ہے۔ اس میں قوت فیصلہ ہے۔ اور مسز گاندھی کے مقابلے میں زیادہ سخت بحران سے گذر سکتی ہے اور وہ اپنی صلاحیتوں کے بل پر برسر اقتدار آئی ہیں۔ مسز بندرا نائیکے کو اقتدار صرف اس لیے ملا کہ وہ بندرا نائیکے کی بیوہ تھیں اور مسز گاندھی کو صرف اس لیے حکومت مل گئی کہ وہ نہرو کی بیٹی ہے۔ اگرچہ اس میں نہرو والی بصیرت نہیں۔ اپنی تمام تر ساڑھیوں، ماتھے کے تلک اور مختصر مسکراہٹ کے باوجود وہ مجھے متاثر نہیں کر سکتی۔

اس نے کبھی مجھے متاثر نہیں کیا۔ اس روز سے اب تک جب میں لندن میں اس سے ملا تھا۔ ہم دونوں ایک لیکچر سننے گئے تھے، وہ اتنی بے چینی اور وضاحت سے نوٹس لے رہی تھی کہ میں نے کہا:

"کیا تم نوٹس لے رہی ہو یا مقالہ لکھ رہی ہو؟"

اور جہاں تک مقالہ لکھنے کا تعلق ہے میرا نہیں خیال کہ وہ اسے اس موضوع پر تاریخ میں آکسفورڈ سے ڈگری مل گئی تھی۔ میں نے

آکسفورڈ سے تین سالہ کورس دو سالوں میں مکمل کر لیا اور وہ تین سالوں میں بھی کورس مکمل نہ کر سکی۔

فلاسی: کیا آپ زیادتی نہیں کر رہے۔؟ کیا آپ تھوڑی سی بے انصافی کے مرتکب نہیں ہو رہے؟ اگر ان میں اہلیت نہ ہوتی تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ اتنا عرصہ نکال سکتی تھیں اور کیا آپ کے نزدیک وہ اس لیے بے معنی ہیں کہ وہ ایک عورت ہیں۔؟

بھٹو: نہیں نہیں! مجھے عورتوں کے سربراہ مملکت بننے پر کوئی اعتراض نہیں۔ اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ مرد عورتوں سے بہتر حکمران ہوتے ہیں مسز اندرا گاندھی کے بارے میں میری یہ رائے مفروضی حالات کے تحت اور ان کی ذات کے حوالے سے ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی نہیں کہ وہ ہمارے جنگی قیدی واپس نہیں کر رہی اور اس کے دل میں جنیوا کنونشن کا احترام نہیں ہے۔ میں نے ہمیشہ اسے سکول کی ایک کند ذہن لڑکی پایا ہے۔ ایک ایسی عورت جس میں قوتِ عمل اور قوتِ متخیلہ کی کمی ہے۔

بہر حال لندن کے ان دنوں کے مقابلے میں جب وہ آکسفورڈ میں پڑھتی تھی اور نوٹس لیا کرتی تھی۔ اب وہ بہتر حالت میں ہے۔ اقتدار نے اسے اعتماد بخشا ہے۔ اور کامیابی و کامرانی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں

اگر بھارت اور پاکستان ایک وفاق میں آجائیں تو مجھے اس کا عہدہ چھین لینے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ میں اس کے ساتھ بحث و مباحثہ سے نہیں ڈرتا۔ اور میں یہ کہوں گا کہ جب اور جہاں وہ چاہے میں اس سے ملنے کے لیے تیار ہوں۔ حتیٰ کہ نئی دہلی میں بھی۔ میں نئی دہلی جانے کے لیے تیار ہوں۔ جس طرح ٹیبل راؤنڈ کانگریس کے بعد وہاں آنا گیا تھا۔ مجھے صرف ایک بات سے الجھن ہوتی ہے کہ مجھے بھارتی فوج گارڈ آف آنرز دے گی۔ اور اس خاتون سے مجھے ذاتی طور پر ملنا پڑے گا۔ یہ بات مجھے اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ خدایا! مجھے اس کے بارے میں سوچنا بھی نہ پڑے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اندرا میرے بارے میں کیا کہتی ہے

فلاسی: اس نے مجھے بتایا کہ آپ ایک غیر متوازن آدمی ہیں۔ ایک روز کچھ کہتے ہیں دوسرے روز کچھ اور تمہارے ذہن میں کیا ہے کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

بھٹو: ہاں اس کا جواب میرے پاس موجود ہے۔ مجھے جان لاک کی ساری تعلیمات میں سے ایک ہی بات پسند ہے "مستقل مزاجی چھوٹے دماغوں کی صفت ہے"۔ (دراصل یہ بات ایمرسن نے کہی تھی اور وہ بھی یوں "احمقانہ مستقل مزاجی چھوٹے ذہنوں کا اصول ہوتا ہے"۔ مترجم) دوسرے لفظوں میں میرے خیال میں بنیادی نظریہ بے لچک ہونا چاہیے، لیکن بنیادی نظریے کے درمیان، آگے، پیچھے حرکت کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ اس کو نسے دوسرے کرنے تک دانشور کو کسی ایک مختصر اور واحد نظریے کے ساتھ چمٹ نہیں جانا چاہیے۔ بلکہ اس کا رویہ لچک دار ہونا چاہیے۔ ورنہ خود کلامی جنون تک لے جاتی ہے اور ایک سیاست دان کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ سیاست حرکت کا نام ہے۔ سیاست دان کو متحرک رہنا چاہیے۔ وہ کبھی دائیں اور کبھی بائیں۔ اس کو ہر وقت تضادات اور شکوک و شبہات پیدا کرتے رہنا چاہیے۔ اسے ہمہ وقت تبدیل ہوتے رہنا چاہیے۔ چیزوں کو ٹسٹ کرنا چاہیے۔ اپنے مخالف پر ہر طرف سے حملے کرنے چاہئیں حتیٰ کہ اسکی کمزوری ہاتھ میں آجائے اور پھر اس پر وار کرنا چاہیے۔ تف ہے اس پہ جو فوراً ہی اپنا بنیادی نظریہ قائم کر لیتا ہے اس پر مزید افسوس ہے اگر وہ اس کا اعلان کرنے لگتا ہے اور مستقل مزاج ہو جاتا ہے، افسوس ہے اس پر اگر وہ اس چال کو خود ہی ناکام کر دیتا ہے جس سے اس نے اپنے مخالف کو اٹھا کر پھینکنا تھا ظاہر کہ غیر مستقل مزاجی ذہین انسانوں اور فطین سیاست دانوں کا پہلا ہتھیار ہے اگر مسز گاندھی اس بات کو نہیں سمجھتیں تو انہیں اپنے پیشے کی خوب صورتی کا علم نہیں ان کے والد بخوبی سمجھتے تھے۔

فلاسی: اندرا گاندھی کہتی ہیں کہ ان کے والد سیاست دان نہیں، بلکہ ولی تھے۔

بھٹو: اپنے والد کے بارے میں مسز گاندھی کا یہ اندازہ غلط ہے، بلکہ وہ ایک عظیم سیاست دان تھے۔ کاش! ان میں اپنے والد کی صلاحیتوں کا نصف بھی ہوتا۔ اگرچہ وہ نظریہ پاکستان کا مخالف تھا، لیکن میں نے ہمیشہ ان کی تعریف کی ہے۔ جب میں جوان تھا تو میں اس سے بہت متاثر تھا۔ لیکن مجھے پتہ چلا کہ اس میں کتنی خامیاں تھیں۔ غصہ، بے رحمی، اور پھر یہ کہ وہ سٹالن، چرچل اور ماؤزے تنگ کے مرتبے کا لیڈر نہیں تھا —— اچھا! اور اندرا گاندھی نے میرے بارے میں کیا کہا۔؟

فلاسی: وہ کہتی ہیں کہ تم پاکستانیوں نے جنگ شروع کی۔

بھٹو: یہ محض مضحکہ خیز بات ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ انہوں نے ہم پر حملہ کیا ۲۱ نومبر کو انہوں نے مشرقی محاذ پر حملہ کیا، کیا مشرقی پاکستان پاکستان نہ تھا؟ ذرا سنجیدگی سے سوچیے۔ اگر کوئی ہیلمبرو پر حملہ کرتا ہے تو کیا آپ یہ نہیں سمجھیں گی کہ اٹلی پر حملہ ہو گیا ہے۔ اگر کوئی مارسیلز پر حملہ کرتا ہے تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ فرانس پر حملہ کیا گیا ہے۔ مسز گاندھی بھول رہی ہیں کہ کشمیر میں ہم نے جوابی حملہ جو کہ ایک متنازعہ علاقہ ہے ۳ دسمبر کو کیا تھا۔ میں ۲ دسمبر کو یحییٰ خان سے ملا تھا، اور اس سے اس بات پر لڑا تھا کہ ہم نے ابھی تک جوابی حملہ کا کیوں آغاز نہیں کیا؟ میں نے کہا تھا کہ تمہارا رویہ اس طرح کا ہے کہ جیسے مشرقی میں کچھ نہیں ہوا۔ عمل میں دیکھے

تم بھارت کا کھیل کھیل رہے ہو۔ اس سے لوگوں کو یقین آتا جا رہا ہے کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان ایک ملک نہیں ہیں۔ میں نے یہ سب کچھ اس سے کہا لیکن اس نے کچھ سن کر جواب نہیں دیا۔ چار دفعہ اس نے جوابی حملہ کے احکامات تبدیل کیے۔ چوتھی دفعہ ہمارے افسر اور سپاہی مایوسی میں اپنے سر ٹیکوں پر پٹخ رہے تھے۔ اور ڈھاکہ۔ آئیے ذرا ڈھاکہ کی بات بھی کریں۔ میں نے کہا تھا کہ ہم ڈھاکہ کو ایک قلعہ بنائیں گے اور دس مہینے یا سال تک جنگ لڑیں گے۔ ساری دنیا ہمارے ساتھ ہو گی۔ لیکن اسے صرف ایک وہم ہو گیا تھا کہ کہیں بھارتی تھوڑی سی جگہ پر قبضہ کر کے بھی اس پر بنگلہ دیش کا جھنڈا نہ لگا دیں۔ اور جب اس نے ساری فوج کو ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا۔ اوہ خدایا! کاش میں ایک ہزار دفعہ مرتا تو بھی یہ اس سے بہتر ہوتا، لیکن ان دنوں میں نیویارک میں تھا۔ مجھے یاد ہے اس نے مجھے بحیثیت سیاح کے وہاں بھجوایا تھا۔ اور وہ اقوام متحدہ کا ناقابل یقین اجلاس

....

فلاسی: اور وہاں آپ نے جو ڈرامہ کیا تھا۔

بھٹو: ڈرامہ نہیں حقیقت۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ غصہ سے میرا جسم چٹک رہا تھا۔ مایوسی میرے رگ و ریشے میں سرایت کر گئی تھی۔ وہ بھارتیوں کی سینہ زوری، وہ بڑی طاقتوں کا خوف جو صرف بھارت کو مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور پھر میں نے وہ تقریر کی جس پر میں نے سب سے کہا کہ تم جہنم میں جاؤ میں رو بھی پڑا۔ میں کئی دفعہ رو پڑتا ہوں، میں ہمیشہ اس وقت روتا ہوں جب بے عزتی اور بے انصافی کی کوئی بات ہو جائے در اصل میں بہت جذباتی ہوں۔

فلاسی: جذباتی، پیچیدہ، ناقابل پیش گوئی اور متنازعہ فیہ، میرے خیال میں سب وقت کہا ہے کہ آپ کی شخصیت کے بارے میں جو بھی کہیں، جو درست ہے لیکن پھر بھی سوشلسٹ ہے

جن کے اطوار مغربی ہیں مگر دو بیویاں ....

....

بھٹو: مجھے معلوم ہے کہ مجھ میں بہت تضادات ہیں۔ میں ان پر قابو پانے اور انہیں دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں، مگر ناکام۔ میں ایشیا اور یورپ کا عجیب امتزاج بن کر زندہ ہوں۔ میں نے عام تعلیم اور اسلامی تربیت حاصل کی ہے۔ میرا ذہن مغربی اور میری روح مشرقی ہے۔ جہاں تک میری دو بیویوں کا تعلق ہے میں اس معاملے میں بے بس ہوں۔ انہوں نے میری شادی میری عم زاد سے اس وقت کی جب میری عمر تیرہ سال تھی اور اس کی عمر ۲۳ سال تھی۔ اس وقت مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ بیوی ہونے کا مطلب کیا ہے؟ اور جب مجھے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی تو میں غصہ سے پاگل ہو گیا۔ مجھے بیوی کی خواہش نہیں تھی میں کرکٹ کھیلنا چاہتا تھا۔ مجھے ٹھنڈا کرنے کے لیے انہوں نے کرکٹ کے دو بیگ لا کر دیئے۔ جیسے ہی شادی کی تقریب ختم ہوئی میں کرکٹ کھیلنے دوڑا۔ ملک میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں بدلنا چاہیے اور میں خوش قسمت تھا۔ انہوں نے میرے کرکٹ کے ایک ساتھی کی جب وہ گیارہ سال کا تھا شادی ایک ۲۳ سالہ خاتون سے کر دی۔ وہ ہمیشہ مجھ سے یہ کہتا رہا تم بہت خوش قسمت ہو۔

جب میں اپنی دوسری بیوی سے محبت میں مبتلا ہوا میں ۳۴ سال کا تھا۔ وہ لندن میں تعلیم پا رہی تھی اور گو وہ ایرانی تھی جہاں دو شادیاں عام رواج ہے۔ اسے قائل کرتے میں مجھے کافی مشکل پیش آئی۔ میرے سوائے دو لفظوں کے کوئی دلیل نہ تھی۔ "تو کیا ہوا" اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے کا مجھے کبھی خیال نہیں آیا۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ میری عم زاد ہے۔ بلکہ اس لیے کہ اس کے حوالے سے مجھ پر ذمہ داری عاید ہوتی ہے اس کی شادی زندگی ایک لڑکے کے ساتھ

بے تکی شادی سے تباہ ہو گئی۔ اس بے تکے رواج کے سبب جس کے ماحول میں، میں پروان چڑھا۔ وہ لاڑکانہ میں میرے گھر میں رہتی ہے اور ہم اکثر ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ وہ عام طور پر تنہا رہتی ہے۔ اس کے ہاں کوئی بچہ نہیں ہوا۔ میرے چاروں بچے میری دوسری بیوی سے پیدا ہوئے۔ میں نے اس کے ساتھ بہت کم وقت گزارا ہے۔ جب میں نے ہوش سنبھالا تو میں پڑھنے کے لیے ملک سے باہر چلا گیا یہ ایک ظلم کی کہانی ہے۔ میں ایک سے زیادہ شادیوں کی حوصلہ شکنی کے لیے جو کچھ ممکن ہوا کروں گا۔ کیونکہ اس سے محض معاشی نقصان ہی نہیں ہوتا، بلکہ اکثر بیویاں مختلف گھروں یا مختلف شہروں میں بٹ کے رہ جاتی ہیں۔ جیسا کہ میرے معاملے میں ہوا۔ اور ہر آدمی اس صورت حال کو میری طرح نبھا نہیں سکتا۔ گو آپ کے تاثر کے مطابق میں اتنا امیر آدمی نہیں ہوں۔

فلاسی: واقعی نہیں — ؟

بھٹو: نہیں کیونکہ آپ کے لیے امیر ہونے کا مطلب "ڈوہانٹ" یا "راک فیلر" ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں اس کا مطلب بہت نچلا درجہ ہے۔ یہاں ہر وہ آدمی امیر ہے جس کے پاس بہت سی زمین ہو اگرچہ حقیقی طور پر [illegible] جاگیردار ہوتے ہیں جن کے پاس عالی شان لیکن گرتے ہوئے مکان ہیں اور جنہیں زندگی گذارنے کے لیے بوڑھی اور امیر عورتوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ہماری زمینیں خشک ہیں اور کم پیداوار دیتی ہیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں امیر کی بجائے نسبتاً خوشحال ہوں۔ میں سلیقے سے رہتا ہوں اور میری بہن خوش حالی سے زندگی گذارتی ہیں اور میرا بھائی بھی خوش حال زندگی گذارتا ہے۔ ہم نے اچھے سکولوں میں تعلیم پائی، لیکن ہم نے کبھی ایک پیسہ بھی برباد نہیں کیا۔ میں کبھی بھی پیسے والا نہیں رہا۔ میں جب امریکہ اور آکسفورڈ میں تعلیم پا رہا تھا تو میرے پاس

کار نہیں تھی - میں نے ہمیشہ پیسے سلیقے اور احتیاط سے خرچ کیے - مثلاً یورپ جانے کے لیے کہ دلچسپ لوگوں سے ملا جا سکے یا کتابیں خریدی جائیں - اگر آپ میری لائبریری دیکھیں تو آپ کو یقین آجائے گا کہ اس میں میں نے اپنی دولت کا بیشتر حصہ لگایا ہے۔ میرے پاس ہزاروں کتابیں ہیں - ان میں سے بہت سی قدیم اور نادر کتابیں ہیں ، میں ہمیشہ مطالعے سے محظوظ ہوتا ہوں - جیسے کھیل سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا - بعض لوگ مجھ پر خوش پوشی کا الزام لگاتے ہیں - یہ الزام درست ہے ، لیکن اس لیے نہیں کہ میں کپڑوں پر پیسہ ضائع کرتا ہوں ، بلکہ میں صفائی اور سلیقے سے رہتا ہوں ، مجھے نہا کر لباس بدلنے سے مسرت ہوتی ہے - میں نے کبھی ان بھارتی اور پاکستانی شہزادوں کو پسند نہیں کیا جو گندے رہتے ہیں اور جن سے بُو آتی ہے - یہ سچ ہے کہ میرے پاس خوب صورت اور آرام دہ گھر ہے ، لیکن میں نے خاصے عرصے تک انہیں ایئرکنڈیشنڈ نہیں کرایا - میں مہمان نوازی کر کے خوش ہوتا ہوں ، لیکن بیوقوفوں اور احمقوں کی مہمان نوازی مجھے پسند نہیں - مجھے رقص کرنے کا طریقہ آتا ہے ، لیکن صرف اس لیے کہ مجھے موسیقی پسند ہے - مجھے اس بات سے نفرت ہے کہ جب دوسرے [illegible] کر رہے ہوں تو میں دیوار کے ساتھ کاغذ کے پھول کی طرح چپکا رہوں - آخر میں ....

فلاسی : آخر میں آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ عورتوں میں بہت مقبول ہیں ——— DON JUAN کی طرح - کیا یہ سچ ہے۔

بھٹو : اس میں مبالغہ ہے - میں ایک رومانی آدمی ہوں - میں سمجھتا ہوں کہ رومانی ہوئے بغیر کوئی سیاستدان نہیں بن سکتا اور ایک رومانی آدمی ہونے کی حیثیت سے محبت سے زیادہ کوئی چیز متاثر نہیں کر سکتی میں نہیں سمجھتا کہ محبت کرنے یا کسی عورت کا دل جیتنے میں کوئی حرج ہے - وہ لوگ بدقسمت ہیں جنھوں نے کبھی محبت نہیں کی - انسان سینکڑوں دفعہ محبت کر سکتا ہے اور مجھے بھی بہت محبت ہو جاتی ، لیکن میں ایک باکردار اور صاحب اخلاق آدمی ہوں۔ میں عورتوں کی عزت کرتا ہوں - لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان عورتوں کی عزت نہیں کرتے۔ یہ غلط ہے - ان کی عزت کرنا اور ان کو تحفظ دینا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم ترین تعلیم ہے - میں جا اپنے آپ کو تشدد کا پرچار کرنے والا نہیں سمجھتا - ایک دفعہ میں نے ایک آدمی کو بہت مارا کہ اس کا خون بہنے لگا ، کیونکہ اس نے ایک لڑکی کے ساتھ زبردستی کی تھی اور مجھے آج صبح انتہا کا غصہ چڑھا جب میں نے اخبار میں پڑھا کہ تقریباً سو طالب علموں نے کراچی کے ساحل پر لڑکیوں پر حملہ کر دیا - ان کو پیٹا اور ان کی بے حرمتی کی کوشش کی ——— بدمعاش - میں ان کے خلاف مارشل لا کے تحت کارروائی کروں گا - میں ایک بات اور بھی کہنا چاہتا ہوں اگر مجھے اس بات کا ثبوت مل گیا کہ ہمارے فوجیوں نے بنگلہ دیش میں عورتوں پر تشدد کیا ہے تو میں اس بات پر مصر ہوں گا کہ ان کے خلاف مقدمے چلائے جائیں - اور انہیں سزائیں دی جائیں۔

فلاسی : چلیے کوئی اور بات کریں - آیئے ہم آپ کے مارکسزم پر بات کریں - آپ اپنی مراعات کے ساتھ اس کی مطابقت کیسے پیدا کرتے ہیں اور اپنے اسلامی عقیدے کے ساتھ۔

بھٹو : میں اپنے آپ کو مارکسی صرف معاشی اعتبار سے کہتا ہوں ، صرف اس حد تک جہاں تک مارکسزم کی جدلیاتی تعبیر کا تعلق ہے میں اسے مسترد کرتا ہوں - زندگی کے بارے میں اس کے جو نظریے ہیں ، خدا کے وجود کے بارے میں ان کا جو سوالیہ انداز ہے میں مارکسزم پر لعنت بھیجتا ہوں - ایک مسلمان کی حیثیت سے مجھے خدا پر یقین ہے - چاہے آپ اُسے غلط سمجھیں یا صحیح - میں سمجھتا ہوں کہ یقین یا تو ہوتا ہے یا نہیں - اگر ہے تو اس کے متعلق بحث بے سود ہے - اور میں اعتقاد رکھنے والا آدمی ہوں - میں اس بات کے لیے قطعاً تیار نہیں ہوں کہ میں اپنے یقین سے منحرف ہو جاؤں - مارکسزم کی خوابناک دنیا میں چلا جاؤں اس کے ساتھ ساتھ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ انسان کا اپنے آپ کو ایک ہی وقت میں مسلمان اور مارکسسٹ کہنا ممکن ہے - خاص طور سے ہمارے جیسے غیر ترقی یافتہ ملک میں جہاں پر معاشیات میں سوشلزم کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

میری مراد پاکستان سے ہے - میں بین الاقوامی جدوجہد کے نعرے کی بات نہیں کروں گا۔ میں دوسرے کے پھٹے میں ٹانگ اڑایا نہیں کرتا - میں اپنے ملک کی حقیقت پر توجہ رکھتا ہوں - میں تو انقلاب کا قائل نہیں ہوں ، لیکن ایک انقلابی ہوں ، اس لیے مجھے تحمل اور رواداری کے ساتھ چلنا ہے اصلاحات اور ایسے اقدام جو رفتہ رفتہ سوشلزم کی طرف لے کر جائیں گے ، قومی ملکیت ——— جہاں ممکن ہو - اور جہاں ممکن نہ ہو وہاں اس سے احتراز ، غیر ملکی سرمائے کا تحفظ جہاں اس کی ضرورت پڑے - مجھے بڑی احتیاط سے چلنا ہے - ایک ڈاکٹر کی طرح جو علاج کے لیے یکایک معاشرے کے جسم میں چھرا تو نہیں گھونپ دیا - ہمارا معاشرہ بہت بیمار معاشرہ ہے - اگر آپ اس کو تباہی سے بچانا چاہتے ہیں تو آپ کو بڑی احتیاط سے آپریشن کرنا ہوگا - ایک زخم مندمل ہونے تک ، ایک اصلاح کے مستحکم ہونے تک ہمارا ملک صدیوں سے سویا ہوا تھا - ہم ایک زلزلے کے ساتھ اس معاشرے کو نہیں جگا سکتے - جیسے کہ لینن نے بھی آغاز میں کئی سمجھوتے کیے تھے۔

فلاسی : جناب والا ! بہت سے لوگ آپ پر اعتبار نہیں کرتے - وہ کہتے ہیں آپ صرف دعوے کرتے ہیں اور اقتدار چاہتے

ہیں اور اقتدار کے لیے آپ سب کچھ کر گذریں گے اور آپ اپنی جائیداد کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

بھٹو: نہیں ان زرعی اصلاحات سے جو میں نے تین ماہ پہلے کی ہیں میرے خاندان کو ۴۵ ہزار ایکڑ تک نقصان ہوا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر ۶ ہزار سے ۷ ہزار ایکڑ تک کا نقصان ہوا ہے۔ مجھے ابھی اور زمین چھوڑنی پڑے گی اور میرے بچے ابھی بہت سی زمین سے محروم ہوں گے۔ خدا میرا گواہ ہے کہ ملک کی اقتصادیات سے کھیل نہیں رہا۔ میں اس لیے آہستہ آہستہ آگے نہیں بڑھ رہا کہ میں خود غرض ہوں جب سے میں نے مارکس کو پڑھا ہے مجھے اس بات کا خوف نہیں رہا کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ میں گنوا دوں گا۔ میں نے مارکس کو ۱۹۴۵ء میں بمبئی میں پڑھا تھا۔ جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ میں صرف طاقت سے محبت کرتا ہوں یہ ایک اچھا وقت ہے جب ہم لفظ "طاقت" کا مطلب سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں اس طاقت کی بات نہیں کر رہا جو یحییٰ خان کے پاس تھی۔ میں ایسی طاقت کی بات کرتا ہوں جہاں آپ محنت کر کے پہاڑوں کا جگر چاک کرتے ہیں، صحراؤں سے ہریالی اگاتے ہیں، ایک معاشرہ تخلیق کرنے کی کوشش کرتے ہیں جہاں لوگ بھوک اور توہین سے نہ مریں۔ میرے پاس کوئی شیطانی حربے نہیں ہیں میں ڈکٹیٹر بننا نہیں چاہتا۔ لیکن مجھے یہ معلوم ہے کہ کئی معاملوں میں مجھے بہت سخت ہونا پڑے گا۔ میں ٹوٹی کھڑکیوں کی مرمت کر رہا ہوں جن میں اکثر کا ٹوٹا نظر آتا ہے مجھے اس کو پھینکنا پڑے گا۔ اگر میں نے اسے بغیر سوچے سمجھے اٹھا پھینکا تو ملک میرے پاس نہیں رہے گا۔

اس کے علاوہ آپ سیاست میں تفریح کے لیے نہیں۔ آپ اس لیے سیاست میں حصہ لیتے ہیں کہ طاقت حاصل کریں اور اسے قائم رکھنے کی کوشش کریں۔ اگر کوئی اس کے برعکس بات کرتا ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ ہر سیاستدان یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اچھا با اخلاق اور مستقل مزاج انسان ہے۔ آپ کبھی اس فریب میں نہ آئیے۔ اچھا با اخلاق اور مستقل مزاج نام کی کوئی چیز دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ سیاست کا مطلب ہے لین دین۔ جیسا کہ ایک بار میرے والد نے مجھ سے کہا تھا اس وقت تک کسی کو مت مارنا جب تک تم اس سے جواب میں دو تھپڑ کھانے کے لیے تیار نہ ہو۔ بلند بانگ نعرے تو سکاؤٹوں کے لیے ہو سکتے ہیں۔ عملی سیاست میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔

فلاسی: جناب والا! آپ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ نے مسولینی، ہٹلر اور نپولین کے بارے میں بہت پڑھا ہے—؟

بھٹو: یہ بالکل صحیح ہے۔ اس کے علاوہ ڈیگال چرچل اور سٹالن کے بارے میں بھی میں نے بہت پڑھا ہے۔ کیا آپ مجھ سے کہلوانا چاہتی ہیں کہ میں فاشسٹ ہوں۔ میں فاشسٹ نہیں ہوں۔ ایک فاشسٹ سب سے پہلے کلچر کا دشمن ہوتا ہے میں ایک دانشور ہوں جسے کلچر سے محبت اور وابستگی ہے۔ ایک فاشسٹ دائیں بازو سے تعلق رکھتا ہے۔ جب کہ میں بائیں بازو سے تعلق رکھتا ہوں۔ فاشسٹ پیٹی بورژوا PETIT BOURGOIS ہوتا ہے اور میں خاندانی آدمی ہوں۔ کسی کو پڑھنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ لازمی طور پر آپ کا ہیرو ہے۔ میرے ذہن میں بھی کچھ ہیرو رہے ہیں۔ لیکن اس وقت تک جب میں طالب علم تھا۔ ہیرو چیونگ گم کی طرح ہوتا ہے اسے گرایا جاتا ہے اور تھوک دیا جاتا ہے۔ اور پھر نیا چیونگ گم منتخب کر لیا جاتا ہے۔ آدمی کو اس ہیرو کا تصور اس وقت ہوتا ہے جب تک آپ جوان ہوں گے اگر آپ جاننا چاہتی ہیں کہ میں نے جوانی میں کن ہیروز کو سب سے زیادہ چبایا ہے تو وہ چنگیز خان، سکندر، ہنی بال اور نپولین— نپولین کو سب سے زیادہ، کچھ دیر مزینی کو، کچھ دن کیمور کو۔ اور کچھ روز گیری بالڈی کو، اور کافی عرصہ تک روسو کو۔ اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان شخصیتوں میں کتنا تضاد اور کس قدر تنوع ہے۔

فلاسی: میں سمجھ گئی تو اس کا مطلب ہے آپ کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے مجھے یہ پوچھنا پڑے گا کہ آج کل کے دور میں وہ کونسی شخصیت ہے جس کو آپ نے اپنے قریب سمجھا ہے جنہوں نے آپ کو پسند کیا، یا جن کو آپ نے پسند کیا—؟

بھٹو: ان میں سے ایک سوئیکارنو ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم دونوں ایک ہی کپڑے کے بنے ہوئے لباس ہیں۔ وہ میری بہت عزت کرتے تھے اور میں ان کا بے پناہ احترام کرتا تھا۔ وہ ایک منفرد آدمی تھا۔ اپنی کمزوریوں کے ساتھ مثلاً عورتوں کے ساتھ فحاشی یہ کوئی ضروری نہیں ہے اور نہ ہی باعث عزت بات ہے کہ آپ ہمیشہ مردانگی کا اظہار کرتے رہیں۔ لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی اس کے علاوہ ان کو معاشیات کا علم نہ تھا۔ اور دوسرا ناصر ہے۔ ناصر بھی ایک اول درجے کا انسان تھا اور میرے ان کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ محبت کی انتہا تک ۱۹۶۶ء میں جب مجھے حکومت سے الگ کیا گیا تو ناصر نے مجھے مصر بلایا اور مجھے ایک سربراہ مملکت کی سی عزت بخشی۔ انہوں نے کہا کہ میں جتنی دیر چاہوں وہاں رہ سکتا ہوں۔

اس کے علاوہ اور کون ہے؟ ہاں سٹالن۔ میں سٹالن کی عزت کرتا ہوں۔ بالکل اسی طرح جس طرح میں خود شیخی سے نفرت کرتا ہوں۔ آپ کو مجھے سمجھنے میں شاید مدد ملے جب میں کہوں کہ مجھے خود ستائی کبھی پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ میں سے ہمیشہ ایک گیمی آدمی سمجھتا ہوں۔ ہمیشہ [illegible]

شور مچانا، سفیروں کی طرف تشدد آمیز اشارہ کرنا، شراب پینا اور وقت آنے پر امریکہ کے آگے جھک جانا۔ اس نے ایشیا کو بہت نقصان پہونچایا۔ آخر میں مجھے پتہ ہے کہ آپ منتظر ہیں کہ ماؤ کے بارے میں کچھ کہوں، لیکن آپ مجھ سے ایک عظیم شخصیت کے بارے میں کیا سننا چاہتی ہیں۔ چو این لائی کے بارے میں بات کرنا آسان ہے۔ میں ان کو بہتر جانتا ہوں۔ ان سے میرے مذاکرات ہوئے ہیں۔ طویل مذاکرات۔ صبح سے شام تک۔ کئی کئی دن۔ تقریباً ہر سال میں ۱۹۶۲ء سے میں چین جا رہا ہوں اور چو این لائی سے مل رہا ہوں اور سادہ الفاظ میں، میں ان کو ایک بلند مرتبہ شخصیت سمجھتا ہوں۔

فلاسی: جناب والا! ان تمام شخصیتوں کو اقتدار حاصل کرنے کے لیے بہت جدوجہد کرنا پڑی تھی، لیکن آپ کو تو ایسا نہیں کرنا پڑا۔

بھٹو: یہ غلط ہے۔ میرے لیے یہاں تک پہونچنا آسان نہ تھا مجھے جیل جانا پڑا اور کئی بار اپنی زندگی خطرے میں ڈالنی پڑی۔ ایوب خان کے دور میں۔ یحییٰ خان کے دور میں مجھے دو موقعہ کھانے میں زہر دینے کی سازشیں کی گئی۔ مجھے گولی مارنے کی کوشش کی گئی۔ دو بار ۱۹۶۸ء۔ ایک بار ۱۹۷۰ء، دو سال قبل سانگھڑ میں میں ایک گھنٹہ تک بچے کے بیچھے ہوئے قاتلوں کی گولیوں کی بوچھاڑ میں [illegible] ایک آدمی مجھے بچاتے ہوئے مارا گیا اور کئی زخمی ہوئے۔ مجھے اذیتیں اٹھانا پڑیں۔ جب ایک امیر گھرانے میں پیدا ہوئے ہوں اور سوشلسٹ خیال رکھتے ہوں۔ آپ پر کوئی یقین نہیں کرتا۔ آپ کے دوست بھی نہیں، وہ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں، نہ وہ غریب جن میں اتنا شعور نہیں کہ وہ آپ کے اخلاص کو سمجھ سکیں۔ میرے لیے سب سے مشکل بات گولی یا زہر سے بچنا نہیں تھا، بلکہ ان لوگوں کو یقین دلانا جو میرے اعتقادات کو نہیں مانتے تھے۔ میں خوش حال ماحول میں پیدا ہوا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے الہ دین کا اڑنے والا قالین مل گیا، بلکہ مجھے سیاست میں باقاعدہ تربیت حاصل کرنا پڑی۔

فلاسی: اور یہ تربیت کب شروع ہوئی؟

بھٹو: بچپن ہی سے۔ اگر ہم اس کا تجزیہ کرنا چاہیں تو ہم کہ سکتے ہیں کہ اپنے والدین سے بہت کچھ لیا۔ میرے والد ایک کامیاب سیاست دان تھے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ الیکشن ہارنے کے بعد وہ بہت جلد ریٹائر ہو گئے۔ ان کا سیاست کا تصور بہت بلند تھا۔

(بشکریہ ہفت روزہ افریشیا لاہور)

بقیہ: لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اور انہیں ان کی سیاسی حیثیت کے مطابق مناسب سلوک سے محروم ہونا پڑے سیاسی فضا غلط کے لیے آخر کس طرح خوشگوار ہو سکتی ہے

کیا حکومتی حلقے مسئلہ کے اس پہلو پر غور کرنے کی زحمت فرمائیں گے۔؟

پہنچی وہیں پہ خاک .....

ملک غلام مصطفیٰ کھر کے بارے میں ہماری ہمیشہ تلی رائے ابتدا ہی سے یہ رہی ہے کہ ان صاحب نے جس انداز سے بھٹو صاحب کے سائے میں حکمرانی کی ہے۔ اور ایک صوبہ کی حکمرانی سے جس طرح ہاتھ رنگے، اس کے پیش نظر اپوزیشن کا ساتھ دینا ان کے بس کی بات نہیں اور اگر وہ اپوزیشن میں ہونے کا دعوی کرتے ہیں تو خود کو بھی اور قوم کو بھی فریب دیتے ہیں۔ گذشتہ انتخابات میں انہوں نے جس انداز سے عین وقت پر قومی اسمبلی کی نشست کے لیے قومی اتحاد کے ٹکٹ کو ٹھکرا کر عزم لندن کیا تھا۔ اس کے بعد ان کے عزائم کے بارے میں کسی خوش فہمی کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی لیکن کسی نہ کسی طرح وہ لندن سے واپس آکر بھی مسلم لیگ کی سینئر نائب صدارت سے چمٹے رہے اور اب وہ ریفرنڈم کے سوال پر مسٹر بھٹو کی حمایت کر کے بالکل بے نقاب ہو گئے

سب سے مسٹر کھر کی اس دوغلی پالیسی سے سوائے ان کے اور کسی کو نقصان نہیں پہونچا، لیکن مفاد پرست عناصر کے لیے دروازے کھلے رکھنے والی سیاسی جماعتوں کے لیے بہرحال یہ ایک لمحہ فکریہ ہے اور ہم یہ گذارش ضرور کریں گے کہ سیاسی جماعتوں کو اپنے دروازے اتنے کھلے بھی نہیں رکھنے چاہئیں۔ کہ جس کا جی چاہے دروازے کے اندر قدم رکھتے ہی سینئر نائب صدر کی گدی پر جا بیٹھے اور جب جی چاہے پلک جھپکتے ہی مین گیٹ سے باہر چھلانگ لگا دے۔

اس سے اور کچھ نہیں تو سیاسی جماعتوں کے ذمہ دارانہ مناصب کی ضرور توہین ہوتی ہے۔

ضیاء الرحمٰن فاروقی

میں انہی اکابر کی گردِ راہ چومنے آیا ہوں

مولانا ضیاء القاسمی سے ایک ملاقات

مولانا ضیاء القاسمی عرصہ بیس سال سے لائل پور میں تبلیغی کام میں مصروف ہیں۔ سنہ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں وہ سیاستِ پنجاب کے افق پر ابھرے اور اپنی خطابت کی جولانیوں سے ہزاروں دلوں کو گرمایا۔ مسٹر بھٹو کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک وہ جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے سیکرٹری جنرل کے عہدے پر فائز رہے۔ بالآخر جب مولانا غلام غوث ہزاروی کو جماعتی ڈسپلن کی خلاف ورزی میں جمعیت سے نکالا گیا تو مولانا قاسمی کی جماعتی رکنیت بھی معطل کر دی گئی۔ کیونکہ وہ بھی مولانا ہزاروی کے طرفداروں میں تھے۔ انہوں نے اس اثنا میں کھلم کھلا بھٹو حکومت کی حمایت کی۔ حکومت نے انہیں اسلامی مشاورتی کونسل اور اوقاف بورڈ کا ممبر منتخب کیا۔ سیاسی اعتبار سے مولانا قاسمی اپنے اکابر کی رفاقت و ہمراہی سے محروم ہو گئے۔ اس دوران خاموشی سے وقت گذارنے کی بجائے انہوں نے ہزاروی گروپ کی پالیسی پر عمل کرکے مختلف رنگوں میں حکومت کا ساتھ دیا۔

۷ جنوری ۱۹۷۷ء کو ملک میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا تو ہزاروی گروپ نے بھی اپنی جماعت کے امیدوار مختلف حلقوں میں نامزد کیے۔ ۷ مارچ کی بے مثال انتخابی دھاندلی کے بعد تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کا آغاز ہوا۔ ابھی چودہ دن ہی گذرے ہونگے کہ مولانا قاسمی نے حکومت کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات منقطع کرنے کا اعلان کر دیا۔ اخبارات کے ذریعہ اعلان ہوا۔ کہ وہ ظلم و استبداد اور بربریت کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لیے ۲۸ مارچ کو لائل پور کچہری بازار سے سر پہ کفن باندھ کر حکومت سے بغاوت کی مہم کا آغاز کریں گے۔

دوسرے ہی روز معلوم ہوا کہ مولانا موصوف کو بُرے طریقے سے زخمی کرکے پسِ دیوارِ زنداں کر دیا گیا۔ داڑھی نوچی گئی اور سڑک پر لٹا کر ڈنڈے مارے گئے۔ لاٹھیوں سے شدید زخمی کیا گیا۔ مگر وہ جو راہ اپنے لیے سوچ بچار کے بعد اپنے لیے متعین کر چکے تھے اس پر ڈٹے رہے۔

انہوں نے ایک بیان میں حکومت کے ساتھ سابقہ تعاون کی غلطی کا برسرِعام اعتراف کیا۔ ۲۵ روز کی رہائی کے بعد علماء کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قاسمی صاحب نے کہا:

میں سخت غلطی پر تھا۔ آج مجھے اس کا شدید احساس ہے

میری کوئی مرضی نہیں۔ میں ہر طرح قومی اتحاد کے

قایدین کے احکامات کا پابند ہوں۔

مولانا قاسمی نے مزید کہا: میں حضرت درخواستی مولانا مفتی محمود کا ادنیٰ سپاہی ہوں، ان کی غلامی میری آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ میں انہی اکابر کے مشن پہ جینا اور مرنا چاہتا ہوں جن اکابر سے خطا کرکے ایک عرصہ قبل میں علیحدہ ہوا تھا میں آج پھر انہی اکابر کی گردِ راہ چومنے آیا ہوں۔

رہائی کو [illegible] ہفتہ گذرا ہوگا کہ جمعہ کی تقریر کے الزام میں مولانا دوبارہ گرفتار کر لیے گئے۔ اس مرتبہ وہ ۱۶ روز سینٹرل جیل میں نظربند رہے رہائی کے چوتھے روز راقم الحروف ان کے مکان پر پہونچا تو اس وقت وہ سول ہیڈکوارٹر ہسپتال میں قومی اتحاد کے زخمیوں کی عیادت کے لیے جا رہے تھے۔ ڈیڑھ گھنٹے کے انتظار کے بعد مولانا واپس آئے تو راقم کا پہلا سوال یہ تھا:

سوال: ہزاروی گروپ سے آپ کی علیحدگی کے اسباب کیا ہیں اور قومی اتحاد میں شمولیت پر کس چیز نے آپ کو مجبور کیا؟

جواب: مولانا نے اظہار رکھتے ہوئے کہا: مولانا ہزاروی سے ابتدا ہی سے میرا ذہنی اختلاف رہا ہے۔ انتخابات سے ایک عرصہ قبل بھی جماعت کی ایک میٹنگ میں میں نے مولانا کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ہمیں موجودہ حکومت کی آمرانہ پالیسیوں کے مطابق کلیتہ اس کی مخالفت کرنی چاہیئے۔ انتخابات کے فوراً بعد ہماری جماعت کا ایک ہنگامی اجلاس ہوا۔ میں نے مرکزی کونسل کے سامنے تین راستوں کی نشاندہی کی

۱- ہماری جماعت علیحدہ سیاسی جماعت کی حیثیت سے انتخابات میں حصہ لے۔ اس صورت میں حکومت اور اپوزیشن کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

۲- موجودہ حکومت کی مشروط حمایت کریں اور اس صورت میں ہم ایک دوسرے کے مقابلہ میں امیدوار کھڑے نہ کریں۔

۳- بصورت دیگر ہم قومی اتحاد کا ساتھ دیں اور حکومت سے ہر قسم کی لاتعلقی کا اعلان کریں۔

مولانا ہزاروی نے دوسری تجویز سے اتفاق کیا اور کہا کہ وہ مسٹر بھٹو سے اس معاملے میں گفتگو کریں گے۔ جب کہ میں نے تیسری تجویز کے حق میں اپنی رائے دی۔ ادھر سے ہمارے ڈیڑھ صد نمائندوں نے درخواستیں بھیج دیں۔ دوسری طرف گورنمنٹ سے کوئی معاہدہ نہ ہوا تو ہمیں پہلی تجویز پر عمل کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ تھوڑے دنوں بعد ہمارے امیدواروں پر تشدد کے واقعات کی اطلاعات موصول ہونے لگیں۔ مولانا اسفندیار پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ ان کا بھائی موقعہ پر شہید ہو گیا۔ جب کہ مولانا کی ٹانگیں توڑ دی گئیں۔ صوبہ سندھ میں ہمارے ایک امیدوار سے زبردستی کاغذ واپس کرائے گئے اور سابق وزیر اوقاف مولانا عبدالباقی صاحب کا حکومت سے سخت مقابلہ ہوا۔

میں نے مولانا ہزاروی کو عام واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ فوری طور پر ہنگامی اجلاس بلا کر حکومت کے ساتھ لاتعلقی کا اعلان کیا جائے۔

اس موقع پر مولانا ضیا القاسمی نے فقط مولانا ہزاروی کے نام مضمون میری طرف بڑھایا جس میں درج تھا:

"بربریت اور ظلم کی ان مثالوں اور ملک کے دوسرے مقامات سے آنے والے تشدد آمیز واقعات کے بعد حکومت کی حمایت کرنا سراسر ناانصافی ہے۔ اور یہ چیز آپ کی سب سے پہلی پالیسی کے بھی خلاف ہے۔ آپ جماعت کے مرکزی اصولوں سے پہلو تہی کر رہے ہیں"

چند دن میں مولانا کا غیر تسلی بخش جواب موصول ہوا۔ اس دوران الیکشن ہوا اور اس صدی کی سب سے بڑی دھاندلی کی مثال سامنے آئی۔ ۱۴ مارچ کو جب پوری قوم مجسم احتجاج بن کر سڑکوں پر نکل آئی تو میں نے اپنے دوستوں کا اجلاس بلایا۔ اور ۲۶ مارچ کو اوقاف بورڈ اور اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ کے اعلان کے ساتھ حکومت کی حمایت سے دست برداری اور ہزاروی گروپ سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔

یہ تھی وہ وجوہ جس کے باعث میں ہزاروی گروپ سے علیحدہ ہوا......... اب میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ میں اپنی قوم کے شانہ بشانہ ظلم و جبر کے خلاف سینہ سپر ہو جاؤں اور ہر قسم کے تشدد و خطرات میں قدم رکھ کر تلافی مافات کروں۔

مولانا ضیاء القاسمی کہہ رہے تھے:

جونہی میں نے حکومت

سے قطع تعلق اختیار کی،

تو میری زندگی کے ایک بہت

بڑے حادثے کا دور ختم ہو

اور اب ابتلاء و آزمائش کے

سنہری دور کا آغاز ہوا ہے

اس راستے میں مجھے تمام حوادث، مشکلات عواقب اور زندان سے لے کر جھوٹے مقدمات اور تختہ دار تک کی ہر صعوبت کا احساس ہے۔

میں نے دوسرا سوال کر دیا:

سوال: مفتی محمود اور حضرت درخواستی سے علیحدگی آپ کی زندگی کے لیے کوئی حادثہ ثابت نہ ہوئی

جواب: مجھ پر ان اکابر سے علیحدگی ایک قیامت تھی اور اس وقت سے اطمینان کی نیند سوتا ہوں جب سے اس قافلے کے مشن کی راہوں میں نکلا ہوں۔

یقیناً میری زندگی کا ناقابل فراموش

واقعہ صرف اپنے بزرگوں سے

جُدائی ہے

مولانا اشکبار لہجے میں مخاطب ہوئے:

"میں نے جان لیا ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی کا مرید انگریزی تہذیب کے دلدادہ کسی اقتدار کے ساتھ نہیں چل سکتا اور یہ بات مجھ پر عیاں ہو گئی ہے کہ:

ظالم حکومت کی اعانت،

حضرت مدنی کے دسترخوان

سے غداری ہے

آخر میں مولانا نے کہا:

میں غیر مشروط طور پر اکابرین جمعیۃ کی دینی اور سیاسی بصیرت پر اعتماد کا اظہار کرتا ہوں۔

مُلتان میں کیا ہُوا؟

آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے

شمشمہ

ترتیب محمد ہاشمی

جیل میں اے کلاس دینے سے معذوری اور گریز انتہائی افسوسناک اور تکلیف دہ امر ہے

حضرت درخواستی مدظلہ

جمعیۃ علماء اسلام کے سربراہ مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے ایک بیان میں اس امر پر سخت افسوس کا اظہار کیا ہے کہ پاکستان قومی اتحاد کی مرکزی کونسل کے جن ارکان کو پانچ مئی کو قومی اتحاد کے مرکزی دفتر سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ان میں سے بیشتر ارکان کو کیمپ جیل میں سی کلاس میں رکھا گیا ہے۔ آپ نے کہا کہ قومی اتحاد کی مرکزی کونسل کے ارکان ملک کی سیاسی پارٹیوں کے مرکزی عہدہ دار ہیں ان سے بعض جید علماء اور وکلاء بھی ہیں۔ انہیں ان کے مقام کی حیثیت کے مطابق جیل میں اے کلاس دینے سے معذوری اور گریز انتہائی افسوسناک اور تکلیف دہ ہے۔

مولانا درخواستی نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ جنرل کونسل کے تمام ارکان کو جیل میں اے کلاس کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

آپ نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ہمیں بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مرکزی کونسل کے ارکان پر کیمپ جیل کے ساتھ متصل سکول میں سمری ملٹری کورٹ میں مقدمہ چلایا جا رہا ہے اور کورٹ کی پانچ سے زائد نشستیں ہو چکی ہیں اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ قومی اتحاد کے مرکزی رہنما اور عالمی سطح کے قانون دان میاں محمود علی قصوری کو جو خود بھی اس مقدمہ میں زیر حراست ہیں مقدمہ کی کارروائی میں حصہ لینے سے روک دیا گیا ہے۔ مولانا درخواستی نے کہا مجھے صرف اس امر کے بارے میں کچھ کہنا ہے کہ سمری ملٹری کورٹ کی کارروائی کو کھلے بندوں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ چند افراد کا معاملہ نہیں۔ بلکہ قومی اتحاد کی مرکزی کونسل کے حوالے سے اس مقدمے کا تعلق پوری قوم کے ساتھ ہے۔ اس لیے یہ بات ضروری ہے کہ ملٹری کورٹ کی کارروائی بر سر عام ہو، یا کم از کم اب تک کی کارروائی سے قومی پریس کے ذریعہ عوام کو آگاہ کیا جائے۔ اور اس کے بعد روزمرہ کی کارروائی سے عوام کو مسلسل آگاہ کیا جاتا رہے۔

آپ نے کہا کہ سمری ملٹری کورٹ کی کارروائی کو صیغۂ راز میں رکھ کر اگر کوئی فیصلہ کیا گیا۔ تو اس کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ جو خود کورٹ کے مفاد کے خلاف رہے۔ اس لیے کورٹ کی کارروائی سے عوام کو آگاہ رکھنے کا اہتمام ضروری ہے۔

اظہار تعزیت

[illegible] سلام حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ، پنجاب جمعیۃ کے امیر حضرت مولانا عبیداللہ انور، جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی نظماء مولانا محمد اجمل، مولانا زاہد الراشدی اور جمعیۃ علماء اسلام ضلع لاہور کے ناظم مخدوم منظور احمد تونسوی نے جو آرمی ایکٹ کے تحت کیمپ جیل لاہور میں زیر حراست ہیں ایک پیغام میں مولانا سید نیاز احمد گیلانی اور مولانا محمد اسماعیل قاسمی کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ دونوں بزرگ پرانے سیاسی کارکن، تحریک آزادی کے سرگرم مجاہد اور ملی و دینی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے رہنما تھے۔ ان کی وفات سے اہل حق دو قائد مخلص رہنماؤں اور پر جوش کارکنوں سے محروم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کو جوار رحمت میں جگہ دیں۔ پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور کارکنوں کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حق و صداقت کی سربلندی کے لیے مخلصانہ جدوجہد جاری رکھنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ آمین۔

میانوالی سے ایک خط

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب ترجمان اسلام لاہور۔ السلام علیکم۔ جناب عالی!

یکم مارچ ۱۹۷۷ء کو میرا بھائی حافظ عبدالرحیم میانوالی سے راولپنڈی تک کا سفر ریل کار میں کر رہا تھا جب گاڑی ریلوے سٹیشن مسان پہ پہونچی تو ملک مظفر خان ایم این اے پاکستان پیپلز پارٹی کے غنڈوں نے زبردستی اتار کر نجی جیل میں قید کر دیا۔ حافظ عبدالرحیم پورے خاندان کا واحد سہارا تھا۔ اس کی غیر موجودگی سے ضعیف والدین اور چھوٹی چھوٹی بچیاں سخت پریشان ہیں۔ حکومت پاکستان سے انسانیت کے نام پہ اپیل کرتا ہوں کہ میرے بھائی کو ظالموں کی قید سے رہائی دلوائی جائے۔

العارض: حافظ خلیل الرحمن ولد عبدالرحمن قوم پراچہ سکنہ کالاباغ۔

دعائے مغفرت

گذشتہ دنوں دفتر جمعیۃ علماء اسلام میلسی میں ایک اجلاس زیر صدارت قائم مقام صدر حضرت مولانا احمد یار صاحب منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ صاحب کی وفات پہ گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ مرحوم کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی۔

اجلاس میں میلسی جمعیۃ علماء اسلام کے سرپرست حکیم عبدالصمد صاحب کی والدہ کی وفات پر بھی اظہار تعزیت کیا گیا اور مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کی گئی اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی گئی۔

تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ اور اکابرؒ سے متعلق وصال سے قبل سید نیاز احمد شاہ صاحبؒ کے تاثرات

مولانا ظفر احمد قاسم کا مراسلہ

محترم المقام جناب اکرام صاحب زید مجدہم

سلام مسنون!

گذشتہ جمعہ والے دن ۶ مئی کو بندہ تلمبہ حضرت شاہ صاحب مدظلہ کی شدید علالت کے پیشِ نظر عیادت کے لیے حاضر ہوا۔ تو حضرت شاہ صاحب نے بڑے درد انگیز لہجے میں فرمایا کہ:

"میرے متعلق بعض ساتھی یہ غلط تاثر دے رہے ہیں کہ میں موجودہ تحریک میں قومی اتحاد کے ساتھ نہیں ہوں، حالانکہ (میرے عزیز! مجھے مخاطب ہو کر روتے ہوئے فرمایا) اس تاریخ کے مبت بڑے ظالم کی حمایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا میری طرف سے ترجمان اسلام میں یہ اعلان ضرور چھپوا دیجیے کہ میں شدید علالت کے پیشِ نظر جب کہ بالکل چلنے پھرنے سے معذور ہوں [illegible] عملی طور پر تحریک میں شریک نہیں ہو سکتا۔ ورنہ میری ہر قسم کی ہمدردیاں اس آمرِ جابر کے خلاف قائد محترم حضرت مفتی صاحب کی قیادت پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے قومی اتحاد کے ساتھ عموماً اور جمعیۃ کے ساتھ خصوصاً ہیں۔ لہٰذا میں اپنے تمام احباب سے کہوں گا کہ موجودہ تحریک میں وہ قومی اتحاد کے ساتھ چل کر جمعیت کے ماضی کا کردار ادا کریں"

والسلام

آپ کا ظفر احمد قاسم عفی عنہ مدرس دار العلوم

تعزیتی اجلاس

جمعیۃ علماء اسلام لائل پور کا تعزیتی اجلاس انوری مسجد سنت پورہ میں زیر صدارت مولانا عزیز الرحمٰن منعقد ہوا۔ جس میں مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانی کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ اور ان کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی ہوئی۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب انوری نے کہا کہ شاہ صاحب مرحوم ایک مردِ مجاہد تھے۔ آپ نے تمام عمر دین اسلام کی تبلیغ اور عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت اور ملک میں اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ اور جمہوریت کی بحالی کے لیے جدوجہد میں گذاری۔ شاہ صاحب شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز اور جمعیۃ علماء اسلام ضلع ملتان کے امیر تھے۔ اجلاس میں مرحوم شاہ صاحب کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔

مولانا محمد اشرف علی قریشی

پشاور۔ پاکستان قومی اتحاد سرحد کے ممتاز رہنما اور جمعیۃ علماء اسلام کے نائب امیر مولانا محمد اشرف علی قریشی مورخہ ۹ مئی کو چوک یادگار پشاور میں قومی اتحاد کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ عام سے خطاب کرنے کے بعد اسٹیج سے اترتے ہی گرفتار کر لیا گیا۔ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن پشاور کے صدر خالد الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ نے جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے ان کی گرفتاری کو انتہائی کی ایک ناپاک جسارت قرار دیا۔ اور ان کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا۔

ضمانت قبل از گرفتاری منظور

جمعیۃ علماء اسلام تحصیل کہوٹہ کے امیر، قومی اتحاد کہوٹہ کے صدر اور تنظیم العلماء تحصیل کہوٹہ کے نگران اعلیٰ قاری حفیظ الرحمٰن اموی عثمانی کی ضمانت قبل از گرفتاری ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ضلع راولپنڈی نے منظور کر لی ہے۔ ان پر دفعہ ۱۶ ایم۔پی۔او کے تحت اشتعال انگیز اور قابل اعتراض تقریر کا الزام لگایا ہے۔

ادھر قاری صاحب نے کہا کہ اس قسم کی دھمکیوں سے ہم مرعوب نہیں ہوں گے۔ بلکہ حق کا یہ قافلہ پیش قدمی کرتا رہے گا۔ تاآنکہ منزل مقصود تک پہونچ جائے۔

مدرسہ صادقیہ منچن آباد

انجمن اصلاح الطلباء

مدرسہ اسلامیہ عربیہ صادقیہ عباسیہ کا ایک احتجاجی اجلاس منعقد ہوا جس میں تلاوت قرآن کریم کے بعد محمد اقبال اختر ناظم علی انجمن نے تقریر کرتے ہوئے طلباء پر زور دیا کہ تحریک جو کہ اسلامی نظام کے لیے چل نکلی ہے اس کو کامیاب بنانے اور اسلام کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔

قومی اتحاد کے صدر حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم کی صحت یابی کے لیے دعا کی گئی آخر میں چند قراردادیں متفقہ طور پر منظور کی گئیں:

۱۔ حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ صاحب گیلانی کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور دعا کی گئی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۔ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ تمام تعلیمی ادارے جلد از جلد کھولے جائیں تاکہ طلباء کا وقت ضائع نہ ہو۔

بعد میں دعا پر بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

طلباء کی ڈائری — رپورٹنگ غلام اللہ خان

پنجاب میں طلباء رہنماؤں کے طوفانی دوروں کا پروگرام

طارق مسعود پنجاب جمعیۃ کے ناظم مالیات منتخب کر لیے گئے۔

پنجاب جمعیۃ کے فیصلے:

۱۹ مئی بروز جمعرات جمعیۃ طلباء اسلام پنجاب کے ضلعی نمائندگان کا اجلاس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں صوبائی صدر ندیم اقبال اعوان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ سیکرٹری شپ کے فرائض جناب ظہیر میر (نائب صدر پنجاب) انجام دے رہے تھے۔ سب سے پہلے ضلعی کارکردگی کا جائزہ پیش کیا گیا۔

ضلع گوجرانوالہ کے صدر جناب فاروق شیخ نے جماعتی کارکردگی کے ضمن میں بیان کیا کہ ضلع گوجرانوالہ میں جمعیۃ کی ۹ شاخیں سرگرم عمل ہیں جماعتی تنظیم پر خصوصی محنت کی جا رہی ہے۔ موجودہ تحریک میں جمعیت سے متعلقہ افراد کی تعداد کسی دوسری تنظیم سے کم نہیں۔ جمعیۃ طلبہ اسلام کے تیرہ ارکان گرفتار ہوئے جبکہ بعد میں پاکستان طلباء اتحاد کی تشکیل کی گئی اور بلا ٹکٹ سفر کی مہم کا آغاز کیا۔ گوجرانوالہ سے وزیرآباد تک سفر کیا تقریباً اڑھائی ہزار طلباء نے شرکت کی۔

ضلع لاہور کے ناظم عمومی محمد ادریس نے اپنے ضلع کی روئداد بیان کرتے ہوئے کہا لاہور میں ہفتہ وار اجلاس باقاعدگی سے ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ ہم اپنے ضلع کی کارکردگی سے مطمئن ہیں۔ تاہم جماعتی احباب موجودہ تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ لاہور میں دس ساتھی گرفتار ہوئے، سترہ زخمی ہوئے اور ایک ساتھی ۹ اپریل کو محمد صابر شہید ہو گئے بیشتر احباب ایک سے زائد مرتبہ گرفتار ہوئے اور اب بھی قید و بند کی مصیبتوں سے دوچار ہیں۔

ضلع ساہیوال کے صدر جناب طارق مسعود نے اپنے ضلع کی کارکردگی پر خاصے اطمینان کا اظہار کیا۔ انہوں نے حاضرین کو خوشخبری سنائی کہ ساہیوال شہر میں انجمن شبان ختم نبوت کے تمام طلباء نے جمعیۃ طلباء اسلام میں شمولیت کا اعلان کر دیا ہے۔ گرفتاریوں سے متعلق مسعود صاحب نے بتایا کہ موجودہ تحریک میں جمعیت طلباء اسلام ساہیوال کے پچاس طلباء نے گرفتاریاں پیش کیں اور جمعیت کے سرگرم رکن جناب ناصر صاحب نے تحریک نظام مصطفےٰ کی جدوجہد میں جام شہادت نوش کیا۔

ملک خلیل احمد اعوان ضلع بہاولنگر کے صدر ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ضلع میں جمعیۃ کی ۵ شاخیں کام کر رہی ہیں۔ موجودہ تحریک میں پچاس طلباء نے گرفتاریاں دیں جبکہ تین طلباء زخمی ہوئے۔

ضلع ملتان سے کبیروالا جمعیت کے جناب بشیر احمد کشمیری تشریف لائے تھے انہوں نے کبیروالا سے متعلق بتایا کہ جماعتی کام تاخیر سے شروع ہوا تاہم تیزی کے ساتھ جدوجہد جاری ہے تنظیمی یونٹ قائم کئے جا رہے ہیں حال ہی میں اسلامی جمعیت طلباء کے پندرہ طلباء نے "جمعیۃ طلباء اسلام" میں شمولیت کا اعلان کیا ہے۔ کبیروالہ میں اب تک پچیس طلباء گرفتار ہو چکے ہیں۔

خانیوال میں ہفت روزہ اجلاس شروع ہو گیا ہے۔ اور تحصیل خانیوال و کبیروالا میں تنظیمی کام بہتر انداز میں ہو رہا ہے۔

خانیوال گورنمنٹ ڈگری کالج یونین کے صدر جناب حمید اللہ خان نیازی اپنی یونین سمیت جمعیت طلباء اسلام میں شامل ہو گئے۔

گزشتہ دنوں ناظم عمومی جناب محمد فاروق قریشی نے خانیوال اور کبیروالا میں جماعتی پروگرام میں شرکت کی اور مخدوم پور میں تربیتی اجتماع اور جلسۂ عام سے خطاب کیا۔ ازاں بعد صوبائی صدر ندیم اقبال اعوان اور قائم مقام ناظم عمومی محمد صفدر چود[illegible] بھی خانیوال اور کبیروالا کے جماعتی احباب سے ملاقات کی اور ان سے خطاب کیا۔

ملتان میں جناب عبید اللہ اصرار بڑی سرگرمی سے جماعتی کاز کو بڑھانے میں مصروف ہیں بیشتر طلباء گرفتار ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ شجاع آباد میں بھی موجود تحریک میں جمعیۃ کے کارکنوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ضلع ملتان میں دو نوجوان طلباء محمد ظفر اقبال (خانیوال) اور نصیر الدین اصرار (شجاع آباد) شہید کر دیئے گئے

اجلاس میں صرف ۵ اضلاع کی نمائندگی ہو سکی جبکہ دیگر اضلاع کے ذمہ دار حضرات پس دیوار زندان ہونے کے باعث شامل اجلاس نہ ہو سکے۔